سلسلہ نمبر ۶ قسط : ۱

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ و رفع درجاتہٗ

ولادت : ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء ۔ وفات : ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء

﴿ نظر ثانی و عنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

نسب اور خاندانی حالات :

نسب : حضرت الحاج محمد عابد صاحب ابن عاشق علی بن قلندر بخش بن جان عالم بن محمد عالم بن سیّد محمد اسمٰعیل بن سیّد ابراہیم رحمہم اللہ۔ (تذکرہ ساداتِ رضویہ ص ۲۶ مرتبہ سیّد محبوب رضوی مرحوم طبع دوم۔ شائع کردہ علمی مرکز دیوبند)

سیّد ابراہیم وہ جدامجد ہیں جنہوں نے دیوبند میں قیام اختیار فرمایا۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :

سیّد محمد ابراہیم بن سعد اللہ بن محمود قلندر بن سیّد احمد بن فرزند علی بن وجیہ الدین بن علاء الدین بن سیّد احمد کبیر بن شہاب الدین بن حسین علی بن عبدالباسط بن ابوالعباس بن اسحاق عندلیب المکی بن قاری حسین علی بن لطف اللہ بن تاج الدین بن حسین بن علاء الدین بن ابی طالب بن ناصرالدین بن نظام الدین حسین بن موسیٰ بن محمد الاعرج بن ابی عبداللہ احمد بن موسیٰ المبرقع ابن امام محمد تقی ابن امام موسیٰ علی رضا ابن امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام محمد الباقر ابن امام

زین العابدین ابن امام ابی عبداللہ الحسین ابن سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت سرورِکائنات محمد رسول اللہ ﷺ۔

اس خاندان کی ہندوستان میں آمد :

ساتویں صدی ہجری میں سیّد محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد میں سیّد حسین حِمص سے ترک وطن کرکے اُوَش میں وارد ہوئے۔ اُوَش فرغانہ کے علاقہ میں واقع ہے۔ ظہیر الدین بابر کا وطن تھا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (المتوفی ۶۳۳ھ) کا وطن بھی یہی تھا۔ بابر نے تزکِ بابری میں تفصیل سے اُوَش کے حالات لکھے ہیں۔ (ترجمہ تزکِ بابری مطبوعہ دہلی ص۲ و ۳)۔

پھر سیّد حسینؒ فرغانہ سے ہندوستان تشریف لائے شیخ بہاء الدین زکریا المتوفی ۶۶۱ھ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بحرِ زَخّارُ میں لکھا ہے :

سیّد حسین مع عیال و اطفال بدہلی آمد سلطان دُرودش را بس عزیز دانستہ خلیے خدمت سیّد بجا آورد سیّد حسین مرید خواجہ بہاء الدین زکریا بود۔	سیّد حسین مع اہل وعیال دہلی آئے بادشاہ نے ان کی تشریف آوری کو بہت ہی اچھا جانا سیّد صاحب کی بہت خدمت کی، سیّد حسین خواجہ بہاء الدین زکریا کے مرید تھے۔

سیّد حسین اپنے زمانے کے مشہور علماء مشائخ میں تھے متبحر عالم اور عارف کامل تھے تربیتِ روحانی کے ساتھ ساتھ علوم وفنون کا درس بھی دیتے تھے بہت سے لوگوں نے ان سے روحانی اور علمی فیض حاصل کیا یہ حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۹۰ھ کے ہم عصر اور خواجہ تاش تھے۔ سندھ کے قدیم شہر بھکر[۱] میں اقامت گزیں رہے اور وہیں ۶۹۵ھ میں بعہدِ سلطان جلال الدین خلجی وفات پائی۔ (تذکرہ ساداتِ رضویہ دیوبند ص۴ از نزہۃ الخواطر ص۱۴۳ ج۱)

سیّد حسین کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ اپنے دو خوردسال بچوں شہاب الدین وغیرہ کو لے کر حِمص واپس چلی گئیں وہاں ان کے بھائی نصیر الدین الانصاری بڑی ریاست کے مالک تھے وہ اولاد سے محروم تھے انہوں نے اپنے بھانجوں کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے کر ریاست ان کے سپرد کردی تقریباً دوسوسال بعد شہاب الدین کی ساتویں پشت میں سیّد محمود قلندر حمص سے ہندوستان آئے سیّد وجیہ الدین اشرف نے بحرزخار میں لکھا ہے :

---

[۱] بھکر سندھ کے معروف شہر سکھر کے مضافات میں ہے۔ وہ اب ایک چھوٹی سی بستی ہے۔

حضرت شیخ محمود قلندر با دو فرزند خود از حمص بجیلاں رفت و بخدمت سیّد محی علی الجیلانی بخانوادہا قادریہ بیعت نمود۔	حضرت شیخ محمود قلندر اپنے دونوں فرزندوں سمیت حمص سے گیلان گئے اور سیّد محی علی جیلانی سے خاندانِ قادریہ میں بیعت ہوئے۔

بحرِ زخار مصنفہ سیّد وجیہہ الدین اشرف ہندوستان کے علماء و مشائخ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب ہے۔ یہ تذکرہ بہت کمیاب ہے اس میں پانچ ہزار مشائخ و اولیاء کے حالات درج ہیں۔ مصنف بحرِ زخار شیخ محمود قلندر کے اخلاف میں سے ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۰۳ھ کی تصنیف ہے یہ لکھنؤ میں آصف الدولہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ مصنف بحرِ زخار کا معمول ہے کہ وہ علماء و مشائخ کے حالات صرف چند چند سطروں میں لکھتے ہیں مگر شیخ محمود قلندر کے حالات انہوں نے آٹھ صفحات ص ۱۵۷۱ الغایۃ ص ۱۵۷۸ میں تفصیل سے لکھے ہیں یہ کتاب ابھی طبع نہیں ہوئی ہے اس کے قلمی نسخے بہت کمیاب ہیں یہاں جس نسخے کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ فرنگی محل لکھنؤ کا نسخہ ہے۔ مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی استاذ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے از راہ کرم بحرِ زخار سے شیخ محمود قلندر کے یہ حالات نقل کر کے عنایت فرمائے اس کتاب کی عظمت واستناد کے لیے محض یہ بتا دینا کافی ہوگا کہ ہند و پاک کے علماء و مشائخ کے حالات میں عربی زبان کا نہایت مستند تذکرہ ''نزھۃ الخواطر'' مولفہ مولانا حکیم عبدالحی لکھنوی جو آٹھ جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے چھپا ہے، بحرِ زخار اس کے بنیادی مأخذ میں شامل ہے نزھۃ الخواطر میں جابجا اس تذکرہ کے حوالے نقل کیے گئے ہیں بحرِ زخار کا جو مخطوطہ فرنگی محل میں ہے اس کے صفحات کی تعداد ۲۸۷۲ ہے۔ تذکرہ ساداتِ رضویہ ص ۴ مع حاشیہ۔ صاحبِ بحرِ زخار نے آگے چل کر لکھا ہے :

حضرت شیخ محمود قلندر بانعمت وخلافت از جیلان بادشاہ پیر بےنظیر خود مع ہر دو فرزنداں بہ ہند آمدہ وسیر کناں لکھنؤ رسید بر کنار شہر گوشہ گزید حضرت حاجی سیّد ابراہیم را اجازت زیارت مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کردہ رخصت نمود شیخ شاہ محمد را درخدمت خود داشتہ بعبادت مشغول شد۔	حضرت شیخ محمود قلندر جیلان سے نعمت وخلافت حاصل کر کے اپنے بےنظیر پیر کے اشارہ سے اپنے دونوں فرزندوں سمیت ہندوستان آ گئے اور چلتے چلتے لکھنؤ پہنچے شہر کے کنارہ ایک گوشہ اختیار فرمالیا حضرت حاجی سیّد ابراہیم کو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی اجازت دے کر رخصت کیا شیخ شاہ محمد کو اپنی خدمت میں رکھ کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔

شیخ محمود قلندر کو عبادت و ریاضت میں غیر معمولی استغراق تھا۔ بحرِ زخار میں حجۃ العارفین کے حوالہ سے لکھا ہے :

روزے شیخ محمود قلندر باستغراق بود کہ باد تند و باراں بے حساب دررسید وہمہ برشیخ گزشت اورا ازیں ہر دو مقدمہ اصلاخبر نہ شد وقت عشاء کہ اقامت کرد مردم از باد وباراں خبر کردند۔ وخوارق عادات ہر ساعت و ہر آن مثل خوارہ ازفیض مزارش جاری است ۔	ایک دن شیخ محمود قلندر استغراق کی کیفیت میں تھے کہ تیز ہوا اور بے حساب بارش آئی اور سب کچھ شیخ پر گزر گیا انہیں ہر دو گزری ہوئی باتوں کی بالکل خبر نہیں ہوئی عشاء کے وقت جب نماز کھڑی ہوئی تو لوگوں نے انہیں بادو باراں کی خبر دی ۔اور خوارق عادات ہر لمحہ اور ہر ساعت ان کے مزار کے فیض سے فوارہ کی طرح جاری ہیں۔

سلطان سکندر لودھی (۸۹۴ھ/ ۱۴۸۸ء۔۹۲۳ھ/ ۱۵۱۷ء) ۸۹۷ھ/ ۱۴۹۱ء میں بنگال کے ایک سفر کے دوران شیخ محمود قلندر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کمال نیاز مندی کے ساتھ پیش آیا۔ بحرِ زخار میں ہے :

بادشاہ مذکورہ (سکندر لودھی) دروقت سفر بنگالہ کہ بہ لکھنؤ رسید صحبت شیخ محمود قلندر دریافت وبکمال نیاز مندی پیش آمد ۔ ودیگر تواضع او شیخ مقبول نداشت مگر مسجدے کہ ہنوز بدائرہ شیخ است بنا کردۂ اوست ۔	بادشاہ مذکور (سکندر لودھی) بنگال کے سفر کے دنوں جب لکھنؤ پہنچے تو شیخ محمود قلندر کی ملاقات کو پوچھا اور کمالِ نیاز مندی سے پیش آیا۔ ان کی اور کسی پیشکش کو تو انہوں نے قبول نہیں فرمایا لیکن ایک مسجد جواب بھی دائرہ شیخ (احاطہ) میں ہے ان کی بنائی ہوئی ہے۔

ہمایوں بادشاہ اور شیر شاہ سوری کے مابین جنگ میں شیخ محمود قلندر ہمایوں کے طرف دار تھے ہمایوں کی شکست کے بعد جب شیر شاہ سوری دہلی کے تخت پر بیٹھا تو شیخ محمود قلندر کے درپے آزار ہوا، شیخ لکھنو سے جونپور چلے گئے وہاں شیخ عبدالسلام نبیرۂ قطب الاقطاب قطب الدین بینادِلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور تیس سال تک ریاضت شاقہ اور مجاہدے میں مشغول رہے، بحرِ زخار میں ہے :

در طریقت تابع او شد شہرت عظیم
یافت و کار را بزودی تمام کرد واز
مشرب قلندریہ ذوقہا بروجہ حاصل
یافت خرقۂ خلافت و عنایات نعمت
گشتہ ملقب بلقب قلندر ۲؎ گشت
وسی سال ریاضت شاقہ کرد۔

طریقت میں ان کے پیروکار ہوگئے عظیم
شہرت پائی اور کارسلوک بہت جلد ہی مکمل کرلیا
اور مشرب قلندریہ سے خاص ذوق بروجہ کمال
حاصل کیا خرقۂ خلافت اور عنایات کا انعام
پایا (اس کے بعد) انہیں قلندر کے لقب سے
یاد کیا جانے لگا ان کا قلندر لقب ہوگیا اور تیس
سال انہوں نے ریاضتِ شاقہ کی۔

لکھنو میں ان سے بڑا فیض جاری ہوا اور کثرت سے لوگ ان سے مستفیض ہوئے، سیّد وجیہہ الدین لکھتے ہیں :

از اولیائے اعظم بود مشائخ وقت
صحبت او را مثل تریاقِ اکبر و کبریت
احمری دانستہ و بخدمتش می
گزرانیدند و بمراد و مطالب می
رسیدند بلکہ فیوض لانہایت میسر حال
آنہا می شد۔ ہم چناں در مہمات او
نیز در ہر طبقہ صاحبِ دل و حق طلب
مجاور ماندہ اند قدوۃ العارفین
فرمودے آں قدر فیض صوری
و معنوی کہ از مزار حضرت قلندر
جاری است از دیگر مزار اولیائے
ایں شہر یافتہ نمی شود ۳؎

اولیاء کبار میں سے تھے مشائخ زمانہ ان کی
صحبت کو تریاقِ اکبر اور کبریتِ احمر سمجھتے تھے
اور ان کی خدمت میں اپنی معروضات
پہنچاتے اور مراد و مطالب کو پہنچتے بلکہ بے
انتہا فیوض ان کے شاملِ حال ہوجاتے
اسی طرح اہم اہم چیزوں میں وہ بھی ہر
طبقہ میں اہلِ حق صاحب لوگوں کے ساتھ
رہے ہیں قدوۃ العارفین (شاہ عبدالغنی
قدوائی) فرماتے تھے کہ جس قدر ظاہری
اور باطنی فیض حضرت قلندرؒ کے مزار سے
جاری ہے اس شہر کے اور اولیاء کرام کے
مزارات سے نہیں ہے۔

۲؎ قلندر۔ فارسی زبان میں باخدا، تنہائی پسند گوشہ نشین، آزاد۔ وہ درویش جو دنیاوی تعلقات چھوڑ کر اور رُوحانی ترقی کرکے خدا کی ذات میں محو ہوگیا ہو۔ (از فیروز اللغات فارسی)

۳؎ بحرِ زخار کے جو اقتباسات اُوپر دیئے گئے ہیں، یہ سب فرنگی محل لکھنؤ کے مخطوطے کے صفحات ۱۵۷۱ تا ۱۵۷۸ سے ماخوذ ہیں۔ بحرِ زخار کا یہ مخطوطہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دینیات کے لیکچرار جناب مولانا مفتی محمد رضا صاحب انصاری فرنگی محلی کی ملکیت میں ہے۔

شیخ محمود قلندرؒ نے طویل عمر پائی. بحرزخار کے الفاظ ہیں ''سنِ دراز یافتہ'' ۲۱ر شعبان ۹۸۶ھ کو لکھنؤ میں وفات پائی، سلطان سکندر لودھی کی تعمیر کرائی ہوئی مسجدِ دائرہ کے صحن میں دفن کیا گیا۔ ''بلدہ خالی شد'' سے سن وفات نکلتا ہے۔

شیخ محمود قلندرؒ کا مزار لکھنؤ میں دریائے گومتی کے کنارے ایک بلند جگہ پر واقع ہے یہ جگہ شیخ کے پوتے شاہ محمدؒ (وفات ۱۰۸۵ھ) کے نام سے منسوب ہے اور ''ٹیلہ پیر محمد'' کہلاتی ہے، لکھنؤ میں گومتی کے کنارے یہ بڑا پُر فضا مقام ہے۔

سلطان سکندر لودھی نے شیخ کے لیے جو مسجد تعمیر کروائی تھی وہ اب تک موجود ہے اورنگزیب کے عہد میں اودھ کے صوبیدار فدائی خاں نے مسجد میں مزید توسیع کی، اس لیے یہ ''عالمگیری مسجد'' کے نام سے مشہور ہوگئی ہے۔

سیّد محبوب رضوی لکھتے ہیں :

تذکرہ علمائے ہند مؤلفہ مولوی رحمٰن علی میں شیخ شاہ محمدؒ کا ذکر کچھ اس انداز سے کیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمدؒ کے علاوہ کوئی دوسرے بزرگ بھی اسی نام سے موسوم تھے۔ میرے نزدیک اس بارے میں بحرِ زخار کا بیان زیادہ مستند ہے۔ یہ کتاب تذکرہ سے مقدم بھی ہے اور خود اس کے مصنف وجیہہ الدین اشرف حضرت شیخ محمود قلندرؒ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ تذکرہ علمائے ہند کے مؤلف سے شیخ محمد کی شخصیت کے سمجھنے میں فروگذاشت ہوگئی ہے۔ مفتی محمد رضا صاحب انصاری کی تحقیق بھی یہی ہے کہ ٹیلہ پیر محمد شیخ محمود قلندرؒ کے فرزند شاہ پیر محمد کی جانب منسوب ہے۔ [۴]

بحرِ زخار کے مؤلف ان ہی شاہ محمد کی اولاد میں ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے :

وجیہہ الدین اشرف ابن نجم الدین بن بہاء الدین بن عبدالحکیم بن شیخ حضرت ابن عبدالصمد بن شاہ محمد ابن شیخ محمود قلندر رحمہم اللہ (ماخوذ از تذکرۂ ساداتِ رضویہ دیوبند ص ۶)

مفتاح العارفین میں بھی شیخ محمود قلندر کا ذکر ملتا ہے لکھا ہے کہ :

شیخ محمود قلندر حنفی مذہب شطاری مشرب از لکھنؤ کہ از بقاع ہندست بود صاحب کشف وکرامات بودند وفات شیخ دس ہزار ونہ ھجری بود۔	شیخ محمود قلندر حنفی مذہب شطاری مشرب لکھنؤ کے رہنے والے تھے جو ہندوستان کے مقامات میں سے (ایک جگہ) ہے۔ آپ صاحبِ کشف وکرامات تھے شیخ کی وفات سن ایک ہزار نو میں ہوئی۔

(تاریخ دیوبند ص ۹۷ بحوالۂ مفتاح العارفین مصنفہ شیخ عبدالفتاح ذکر مشائخ الماۃ الحادی عشر مخطوطہ کتب خانہ دار العلوم دیوبند)

---

[۴] ملاحظہ ہو ضمیمہ روزنامہ قومی آواز لکھنؤ ص ۲۔ مورخہ ۱۸ر مارچ ۱۹۷۳ء

سیّد محمود قلندرؒ کے معاصر مورخ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں :

شیخ محمود قلندر لکھنوی از خلفائے شیخ محمد غوث است صاحب دعوات اسماء بود در ریاضت وفقر وتوکل شانے داشت وصاحب بذل وایثار بود در لکھنؤ آمدہ بود وخیلے از مردم شرف صحبت او یافتہ رتبہ ارشاد یافتند و ہماں جا درگذشت ۔	شیخ محمود قلندر لکھنوی شیخ محمد غوث کے خلفاء میں سے ہیں اسماء الٰہیہ کی دعوتوں کے عامل تھے۔ ریاضت فقر توکل میں خاص شان رکھتے تھے اور فیاض طبع اور صاحب ایثار تھے۔ لکھنؤ تشریف لے آئے تھے اور بہت سے لوگوں نے ان کے شرفِ صحبت سے مرتبہ ارشاد حاصل کیا آپ نے وہیں (لکھنؤ ہی میں) وفات پائی۔

(تاریخ دیوبند ص ۹۶ وتذکرہ سادات رضویہ ص ۷) از منتخب التواریخ عبدالقادر بدایونی ص ۲۸۶۔

شیخ محمد غوث گوالیاری ساداتِ نیشاپور سے تھے شیخ حمید شطاری سے بیعت تھے جن کا سلسلہ صرف ایک واسطہ سے صاحب سلسلۂ شطاریہ شیخ عبداللہ شطار تک پہنچتا ہے شیخ محمد غوث مدت تک قلعہ کالنجر میں ریاضت ومجاہدہ میں مصروف رہے۔ مراتب عالیہ کے ساتھ دنیاوی عزت ودولت کے بھی مالک تھے ہمایوں بادشاہ کو ان سے بڑی ارادت تھی۔ شیخ دعوت اسماء الٰہیہ میں زبردست مقام رکھتے تھے۔ اوراد واعمال میں اورادِ غوثیہ اور جواہر خمسہ آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ شیخ وجیہہ الدین گجراتی جیسے جامع کمالات عالم کو شیخ محمد غوثؒ سے ارادت تھی۔ شیخ محمود قلندر شیخ محمد غوث کے خلفاء میں تھے شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے معاصر اور پیر بھائی تھے دونوں نے شیخ محمد غوث سے اکتسابِ فیض کیا تھا شیخ محمد غوثؒ نے ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء میں وفات پائی۔ گوالیار میں ان کا مزار زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ (حاشیہ تاریخ دیوبند ص ۹۶)

شطاری سلسلہ کے بانی شیخ عبداللہ شطار تھے ان کے متوسلین میں بعض نہایت بااثر شخصیتیں گزری ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کو خوب ترقی دی، صوفیاء کے اس مسلک کی ایک خاص بات یہ ہے کہ شطاری مشائخ نے ہندوؤں کے ساتھ نہ صرف نہایت اچھے مراسم قائم کیے بلکہ ان کے مذہبی افکار ونظریات کو ہمدردانہ سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کی ایک اہم مثال شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی تصنیف ''بحر الحیات''، جس میں ہندوؤں کے مذہبی فکر کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس دور میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک دوسرے کو سمجھنے کا شوق بڑھ رہا تھا۔ ہندوؤں نے اول اول فارسی زبان اسی زمانے میں پڑھنی شروع کی۔ ایک طرف رزق اللہ مشتاقی اور میاں طٰہٰ وغیرہ ہندوؤں کے علوم کے ماہرین میں شمار کیے جاتے ہیں تو دوسری طرف ایک ہندو برہمن کے اسلامی علوم پر عبور کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کو درس دیتا تھا۔ شیخ رکن الدین گنگوہیؒ ایک ہندو جوگی

بال ناتھ سے اسرارِ توحید معلوم کرتے تھے ۔(صبح گلشن ص ۴۱۴ واقعات مشتاقی ص ۱۳۳ منتخب التواریخ ص ۳۲۳ لطائف قدوسی ص ۴۷ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ بحوالہ سلاطین ہند کے مذہبی رجحانات مصنفہ خلیق احمد نظامی ص ۴۵۱ و ۴۵۸ ۔)

شیخ رزق اللہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے چچا تھے عربی فارسی کے علاوہ سنسکرت کے بھی عالم تھے ہندوؤں کے علوم پر مہارتِ کامل حاصل تھی ۔ ہندی میں راجن اور فارسی میں مشتاقی تخلص کرتے تھے ۔(صبح گلشن ص ۴۱۳ بحوالہ سلاطین ہند کے مذہبی رجحانات ص ۴۵۸ ۔ تاریخ دیوبند ص ۹۸ حاشیہ)

سیّد محمود قلندرؒ کو میر طیب بلگرامی سے بھی خرقۂ خلافت حاصل تھا، بحرِ زخار میں ہے کہ :

''شیخ محمود قلندر خرقۂ خلافت از سیّدِ طَیِّبْ یافتہ''

میر سیّد طیّب بلگرامی کی نسبت میر غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ اپنے والد بزرگوار میر عبدالواحد کی وفات کے بعد اُن کے جانشین ہوئے ۔ وہ مرتبہ قطبیت وابدالیت اور غوثیت پر فائز تھے اور کثرت عبادات میں گویا امام زین العابدین تھے علوم ظاہری میں بھی یگانۂ روزگار تھے ۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ ان کے فضل وکمال کے بڑے معترف تھے اور مشکل علمی مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے نہایت متبعِ سنت تھے عمر بھر میں کوئی بات خلافِ سنت ان سے سرزد نہیں ہوئی ان کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اگر کسی کو ائمہ سلف یا فرشتے کی زیارت کرنی ہو تو وہ میر سید طیّب کی زیارت کرلے ۔ ان سے بے شمار کرامتیں ظاہر ہوئیں ۱۰۶۶ھ/ ۱۶۱۵ء میں وفات پائی ، بلگرام میں اپنے والد کے مرقد کے پہلو میں ان کا مزار ہے ۔(تذکرۂ سادات رضویہ ص ۸ از مآثر الکرام مصنفہ پیر غلام علی آزاد بلگرامی جلد اول ص ۴۷ تا ۵۱ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء)۔

شیخ محمود قلندرؒ کے خلفاء میں ایک بزرگ شیخ دانیال بنارسیؒ (وفات ۱۰۱۵ھ/ ۱۶۰۶ء) کے حالات تذکرۂ مشائخ بنارس میں ملتے ہیں ۔ لکھا ہے کہ اپنے زمانہ کے بلند مرتبہ مشائخ میں تھے بنارس کی مخلوق کو ایک عرصہ تک فائدہ پہنچایا سارا شہر ان کی ولایت کا معتقد تھا ۔ بحرِ زخار کے مصنف نے تحفۃ الابرار کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ محمد محمود قلندر کے خلفاء میں سے تھے ۔(تاریخ دیوبند حاشیہ ص ۹۹ بحوالہ تذکرہ مشائخ بنارس مؤلفہ مولانا عبدالسلام ص ۱۵ و ۱۶) ۔(جاری ہے)

بانی و مہتمم اول دارالعلوم دیوبند حضرت اقدس حاجی سیّد عابد صاحبؒ پر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ نے دو مضمون تحریر فرمائے تھے ایک مختصر تھا جو دو قسطوں میں گزشتہ سال اکتوبر / نومبر کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے اب دوسرے تفصیلی مضمون کی پہلی قسط قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے ۔(ادارہ)

سلسلہ نمبر۶ قسط : ۲

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کر دیا جائے۔اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔(ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظرثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

سید محمد ابراهیم رحمه الله

جدِّ اعلی ساداتِ رضویہ دیوبند ضلع سہارنپور اور تاریخ علم ومعرفت

سیّد محمد ابراہیم کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی۔علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد اشغال صوفیہ قادریہ میں مشغول ہو گئے اپنے دادا شیخ محمود قلندر اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے اتباع میں سیاحت اختیار کی۔حضرت سیّد محمد ابراہیم کے بھائی حضرت شاہ محمد المتوفی ۱۰۸۵ھ لکھنؤ میں قیام پذیر رہے اُن کی وفات کے بعد اُن کے خلفاء شیخ غلام نقشبندی المتوفی ۱۱۲۶ھ شاہ محمد آفاق اور شاہ محمد شفیع وغیرہ نے خانقاہ کو آباد رکھا۔(تذکرہ ص ۸ بحوالہ حیات شبلی ص ۱۵ و ۱۶)

سیّد محمد ابراہیم کے دو بھائی اور تھے سب سے بڑے بھائی جامع مسجد لکھنؤ میں امامت وخطابت کے منصب پر فائز تھے دوسرے بھائی حیدرآباد دکن چلے گئے اور سیّد محمد ابراہیم نے جو زہد وتقوی اور فقر وتوکل میں اپنے دادا کے جانشین تھے مسندِ رشد وہدایت کو رونق بخشی، پانچ مرتبہ[۱] حرمین شریفین میں حاضر ہو کر حج وزیارت روضۂ اقدس سے مشرف ہوئے اور مختلف ملکوں کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان واپس تشریف لائے۔ملفوظاتِ انوری میں لکھا ہے :

---

[۱] بلکہ سات مرتبہ پیادہ پا حج کیے از مضمون سیّد محبوب رضوی شائع شدہ ماہنامہ آستانہ دہلی بابت ماہ فروری ۱۹۶۸ء ص ۵۷ مرسلہ سیّد محبوب صاحب مرحوم۔

''حضرت شاہ محمود قلندر رضوی رحمۃ اللہ علیہ لکھنؤ تشریف لائے آپ کے تین فرزند ہوئے، بڑے بھائی لکھنؤ میں امامت پر رہے دوسرے بھائی حیدر آباد دکن چلے گئے تیسرے بھائی نے درویشی اختیار کی پانچ حج کیے کیونکہ وہاں حاضری کے بغیر اکثر اولیاء اللہ کمال کو نہیں پہنچتے، پچھلے حج کے بعد براہ خشکی دیوبند تشریف لائے اُس وقت شاہ جہاں بادشاہ تھے۔ یہاں کے شاہ ولایت ہوئے اور فیض جاری ہوا۔ قریب باون سال کی عمر میں ساداتِ بارہہ مقام جانسٹھ شادی کی۔ یہ سادات بارہہ آصف الدولہ کے وقت میں شیعہ ہوگئے حضرت شاہ مینا لکھنویؒ اسی خاندان کے نواسے ہیں''۔ (ملفوظات انوری مرتبہ حاجی مولا بخش مرحوم دیوبندی ص ۶)

سیّد محبوب رضوی مرحوم لکھتے ہیں :

''یہ تاریخی غلطی ہے کہ سیّد محمد ابراہیمؒ کی دیوبند تشریف آوری کے وقت شاہجہاں بادشاہ تھے شاہجہاں (۱۰۳۷ھ۔۱۰۶۸ھ) کا عہد سلطنت ۲۲/ جمادی الاولی ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۷ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ سیّد محمد ابراہیمؒ کی وفات ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء میں ہوئی نیز سیّد صاحب کی وفات کے بعد ۱۰۳۵ھ/ ۱۶۲۵ء میں آپ کی زوجہ محترمہ کے لیے مدِ معاش کا جو فرمان شاہی جاری ہوا ہے وہ جہانگیر کی جانب سے ہے۔ ملفوظات انوری میں تسامح ہوا ہے ۔تاریخ دیوبند ص۱۰۰ مع حاشیہ۔ (بارہہ کو باہرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور جانسٹھ ضلع مظفر نگر میں ہے ضلع مظفر نگر اور ضلع سہارنپور ملے ہوئے اضلاع ہیں)۔

شہنشاہ جہانگیر (۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء۔۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۷ء) کے عہد حکومت میں سیّد صاحب کے قیام کے لیے یہی خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی گئی تھیں جو معدوم ہو چکی ہیں۔ (تاریخ دیوبند ص ۱۰۷)

آپ دیوبند میں گیارہویں صدی کے اوائل میں تشریف لائے اور بعض اہل اللہ کے مشورہ سے اسلام کی دعوت وتبلیغ ورُشد وہدایت کے لیے دیوبند کا انتخاب فرمایا۔ تذکرۃ العابدین میں لکھا ہے کہ'' آپ اولیائے کبار سے تھے کرامتیں اُن کی دیوبند میں مشہور ومعروف ہیں آپ کا سلسلہ قادریہ تھا''۔

دیوبند میں سیّد صاحب کے قیام کے لیے دہلی کی مرکزی حکومت کی جانب سے مسجد اور ایک وسیع خانقاہ تعمیر کرائی گئی جس میں افادۂ باطنی اور طریقت وتصوف کے حلقے کے ساتھ ساتھ علوم ظاہری کی تعلیم وتعلم کی مسند بھی بچھی ہوئی تھی۔ سیّد صاحب کے اخلاف کے نام مغل شہنشاہوں جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں مدد معاش کے لیے جو زمینیں دی گئی ہیں شاہی فرامین میں ان کی وجہ طالبانِ علم وطریقت کے مصارف بتلائے گئے ہیں۔

ہندوستان میں ساداتِ رضویہ کے خاندان لکھنؤ، خیر آباد، زید پور اور دوسرے مختلف مقامات میں موجود ہیں سادات دانشمندان امروہہ اور تقسیم پنجاب سے قبل سونی پت، سفیدوں اور سامانہ میں بھی اس خاندان کے افراد آباد تھے۔

سر سیّد احمد کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے محمد الاعرج پر ان کا نسب دیوبند کے سادات سے مل جاتا ہے۔(تذکرۂ ساداتِ رضویہ ص ۳)۔سیّد محمد ابراہیمؒ نے ہندوستان کی سیاحت کے دوران اکثر اولیاء کرام کی خدمت میں حاضر ہوکر روحانی فیوض و برکات حاصل کیں۔ برنادہ میں شیخ علاء الدین چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے مشورے سے قیام کے لیے دیوبند کو پسند فرمایا۔

شیخ علاء الدین چشتیؒ اور برنادہ :

برنادہ میرٹھ سے تقریباً ۱۹ میل جنوب میں واقع ہے۔ یہ ایک قدیم تاریخی بستی ہے شیوخ کی آبادی ہے۔ برنادہ کے قریب ہیسٹیڈن ندی ہے اس کے کنارے مشائخ برنادہ کے مزارات ہیں برنادہ کے قریب ہی ایک موضع شیخو پورہ ہے بزرگانِ برنادہ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہرویؒ المتوفی ۴۸۱ھ/ ۱۰۸۸ء کی اولاد میں سے ہیں، برنادہ میں اولاً شیخ بدرالدین المتوفی ۷۸۸ھ/ ۱۳۸۶ء نے سکونت اختیار کی ان کو مخدوم نصیرالدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ (۷۵۷ھ/ ۱۳۵۶ء) سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ بعد کے دور میں اس خاندان میں ایک بزرگ بدرالدین اسحٰقؒ ہوئے ہیں ان کے فرزند شیخ علاء الدین چشتی المتوفی ۹۷۶ھ تھے جو رسالہ چشتیہ بہشتیہ کے مصنف ہیں۔

اس خاندان کا ایک سلسلہ سنبھل (ضلع مراد آباد) میں ہے، دوسرا پانی پت میں تھا اور تیسرا سلسلہ سہالی (بارہ بنکی) میں آباد ہوا علماء فرنگی محل اسی تیسرے سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ دیوبند حاشیہ ص ۱۰۱ بحوالہ تذکرۂ علماء فرنگی از مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی مطبوعہ لکھنؤ ص ۸)

چشتیہ بہشتیہ میں حضرت سیّد ابراہیمؒ کے متعلق لکھا ہے :

حاجی ابراہیم دیبنی اولاً بملازمتِ آنحضرت	حاجی ابراہیم دیبنی سب سے پہلے حضرت
در برنادہ رسید و آنچہ در دل مضمر داشت	والا کی خدمت میں برنادہ میں پہنچے اور جو
ظاہر گردانید و گفت کہ سیر و سفر بسیار کردم	کچھ دل میں خیالات رکھتے تھے ظاہر کیے
بکعبۂ معظّمہ و مدینہ طیبہ و بیت المقدس و رُوم	اور کہا کہ سیر و سفر میں نے بہت کیا ہے کعبۂ
و شام رسیدم و دیگر اطراف و اکناف	معظّمہ مدینہ طیبہ بیت المقدس روم اور شام
بسیار دیدم اکنوں ویرانہ بسرمی خواہم کہ	پہنچا اور بہت سے اور اطراف و اکناف میں

مکانے متعین ساختہ وجود پرداختہ بقیہ عمر بگذرانم وبہر مقامے وبہر دیارے مشاور و مامور گردد متمکن و مستقر شود۔ فرمود کہ درویشاں ہرجا کہ اقامت کنند مبارک است لیکن قصبۂ دیبن کہ دیوبند گویند دریں زماں از غلغلہ اشخاص سلاسل متقادمہ نمایاں شدہ است مناسب آنست کہ دراں قصبہ وطن گیرند ونکاح کنند تا مردم آنجائے استفادہ کنند پس شیخ مذکور ہم چناں کرد ودراندک فرصت انگشت نما گشت وعلائق ظاہر یہ بروجہ احسن حاصل آمد جنجہ باغ وچاہ واملاک وحویلی واولاد وغیر ذلک بمراد فواد محصل ومیسر آمد۔

نے دیکھے ہیں اب میں جو کہ ویرانہ بسر ہوں، یہ چاہتا ہوں کہ کوئی جگہ معین کر کے اپنے آپ کو الگ کر کے باقی عمر گزاردُوں اور جس جگہ اور جس شہر میں بھی مشورہ دیا جائے گا اور مامور کیا جائے گا وہیں جگہ بنا کر اپنا مستقر بنالوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ درویش جس جگہ بھی اقامت اختیار کرلیں مبارک ہے لیکن قصبۂ دیبن جسے لوگ دیوبند کہتے ہیں اس زمانہ میں قدیم سلسلوں کے بزرگوں کے چرچے میں نمایاں ہوگیا ہے مناسب یہ ہے کہ اس قصبہ میں ہی وطن بنالیں اور نکاح کریں تا کہ اس علاقہ کے لوگ مستفید ہوں پس شیخ مذکور نے اسی طرح کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں مشہور ومعروف ہوگئے اور ظاہری علائق باحسن وجوہ حاصل ہوئے۔ گائیں، باغ، کنواں، اَملاک ،حویلی اور اولاد وغیرہ حسب دلخواہ حاصل اور میسر آگئیں۔

(تاریخ دیوبند ص۱۰۲ بحوالہ رسالہ فردوسیہ چشتیہ بہشتیہ ص ۶۷،۷۷ مخطوطہ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند)

چنانچہ شیخ علاء الدین چشتی رحمہ اللہ کے مشورہ کے مطابق سیّد محمد ابراہیم رحمہ اللہ نے دیوبند میں قیام فرمایا اور یہاں علم وعرفان اور رشد وہدایت کی شمع روشن کی، آبادی کی جانبِ جنوب دیوی کنڈ کے متصل مکان مسجد اور خانقاہ تعمیر کرا کر خلق اللہ کی خدمت میں مشغول ہوگئے۔ آپ کے فیوض اور رشد وہدایت کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ غیر مسلم بھی آپ کے ساتھ ارادت مندی سے پیش آتے تھے۔ اُوپر بتلایا جا چکا ہے کہ شطاری سلسلہ کے مشائخ ہندوؤں سے بڑے اچھے تعلقات رکھتے تھے چنانچہ دیوبند کے مشہور طبیب حکیم عبداللطیف مرحوم (۱۸۸۴ء/۱۳۰۲ھ۔ ۱۹۵۴ء/۱۳۷۳ھ) نے جو راجہ راج گڈھ کے (مالوہ) کے طبیب خاص تھے، راقم سطور سے بیان کیا کہ :

''حضرت سیّد محمد ابراہیم رحمہ اللہ کی نظر کیمیا اثر اور فیض صحبت سے دیوبند اور اطراف وجوانب کے بہت

سے لوگ یہاں حلقہ بگوش اسلام ہوئے خود اپنے خاندان کے بارے میں حکیم صاحب نے فرمایا کہ سیّد صاحب کی توجہ سے مشرف باسلام ہوا نیز دیوبند کے گوجر بھی آپ ہی کے فیضِ صحبت سے اسلام میں داخل ہوئے''۔(تاریخ دیوبند ص ۱۰۳)

گوجروں میں دو بھائی تھے ایک کا نام جے رام اور دوسرے کا نور رنگ تھا۔ جے رام مشرف باسلام ہوگیا اور دوسرا بھائی بدستور اپنے مذہب پر قائم رہا۔ دونوں بھائیوں کی اولاد جس محلّہ میں رہتی ہے وہ ''گوجرواڑہ'' کہلاتا ہے۔ دونوں خاندان کے افراد بیاہ شادی میں ایک دوسرے کے یہاں شریک ہوتے ہیں۔ جے رام نے قبول اسلام کے بعد اپنے آبائی مندر کے نزدیک مسجد تعمیر کی جو اب تک موجود ہے اس مسجد میں جمعہ ہوتا ہے۔ جے رام کی بنوائی ہوئی حویلی بھی اب تک موجود ہے جس میں اُس کی اولاد رہتی ہے۔

گوجروں کے قبولِ اسلام کی نسبت تاریخ سہارنپور کے مصنف نے لکھا ہے کہ :

''بیشتر گوجران آبادی شہر میں رہتے تھے بعدہ انہوں نے اپنا محلّہ علیحدہ کرلیا جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہدِ حکومت میں وہ مسلمان ہوگئے''۔(تاریخ سہارنپور ص ۱۶۱)

مگر آئینِ اکبری سے اکبر کے عہدِ حکومت گوجروں کے اسلام قبول کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ابوالفضل نے دیوبند کی زمینداری کا ہندو گوجروں اور تگوں میں ہونا بتلایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان، افریقہ، چین، انڈونیشیا، ملائیشیا اور فلپائن وغیرہ ملکوں میں اسلام کی اشاعت بڑی حد تک صوفیۂ کرام کی کوششوں کی رہینِ منت ہے چنانچہ ہندوستان میں شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ المتوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء نے پنجاب میں خواجہ معین الدین چشتیؒ المتوفی ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء نے راجپوتانے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ المتوفی ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء اور سلطان نظام الدین اولیاءؒ (۷۲۵ھ/ ۱۳۲۴ء) نے دہلی اور اس کے اطراف وجوانب میں اسلام کا چراغ روشن کیا ہے۔

دیوبند اور اس کے اطراف میں سیّد محمد ابراہیمؒ کی تبلیغی جدوجہد نتیجہ خیز ہوئی ان کی ذات سے تبلیغ واشاعت اسلام کی عظیم الشان خدمات ظہور میں آئیں۔ پروفیسر آرنلڈ نے دعوتِ اسلام میں لکھا ہے کہ ''ہندوستان میں اسلام کی روشنی ان مقامات پر زیادہ پھیلی جہاں مسلمانوں کی سیاسی طاقت کمزور تھی جیسے جنوبی ہندوستان اور مغربی بنگال''۔(تاریخ دیوبند ص ۱۰۵ بحوالہ پریچنگ آف اسلام ص ۲۱۳)۔ اسلامی تعلیمات کی تشریح وتوضیح میں صوفیۂ کرام کا انداز وطریق براہِ راست وجدان وشعور کو متاثر کرتا تھا۔ اس سے قلب میں سوز وگداز پیدا ہوجاتا تھا جو لوگ اِن کی صحبت اختیار کرلیتے اسلام ان کے دلوں میں جاگزیں ہوجاتا تھا۔

ہندوستان کے سلاطین تو بالعموم ازم آرائیوں اور کشور کشائیوں میں مصروف رہے مگر مشائخ کی خانقاہیں محبت و مودت کے نغموں سے گونج رہی تھیں اور صوفیۂ کرام اقلیم دل کی تسخیر میں مشغول تھے ان کی یہ کوشش رہی کہ اس سرزمین کو اسلام

کی دولت سے مالا مال کریں اور یہاں کے رہنے والے جفاکش اور سماج کے ٹھکرائے ہوئے باشندوں کو ان اسلامی اقدار سے روشناس کرائیں جو گفتار و کردار کو جلا بخشتی اور انسانی زندگی کو سنوارتی ہیں۔(تاریخ دیوبند ص ۱۰۶)

سیّد محمد ابراہیمؒ کی جدوجہد صرف اصلاحِ باطن، روحانی تربیت اور تبلیغ اسلام کی حد تک ہی محدود نہ تھی بلکہ جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے اُن کی تعلیم و تربیت کا بھی مناسب انتظام فرماتے تھے۔مساجد کے انتظام کے سلسلہ میں خود راقم سطور سے ڈاکٹر منصب علی خاں دیوبندی (وفات ۱۹۵۳ء/ ۱۳۷۲ھ) نے یہ واقعہ بیان کیا کہ قلعہ کی جامع مسجد کی امامت وخطابت کے لیے سیّد صاحب نے لوہاری (مظفرنگر) سے مُلا حسام الدین کو بلا کر مقرر فرمایا جن کی اولاد میں اب سے کچھ عرصہ پہلے تک برابر امامت کا یہ منصب چلا آتا رہا۔موجودہ جامع مسجد کی تعمیر (۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء) سے قبل تک قلعہ کی مسجد کو دیوبند کی مرکزی مسجد ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔(تاریخ دیوبند ص ۱۰۶)

سیّد محمد ابراہیمؒ کے دو صاحبزادے ہوئے، بندگی سیّد محمد اسمٰعیلؒ اور شاہ محمد امینؒ۔سیّد محمد ابراہیمؒ نے ۵ رشوال ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء کو وفات پائی۔مسجد کی جانب شمال آپ کا مزار ہے۔یہ جگہ اب بھی سرائے پیرزادگان [1] کہلاتی ہے۔ سیّد صاحب کا قطعہ تاریخ وفات یہ ہے :

حسرتا از جور چرخ بے مدار — اند کے راحت و رنجش بے شمار
حاجی الحرمین ابراہیم نام — بود شیخ و قطب دوراں نامدار
در علومِ شرع وارثِ انبیاء — برسرِیر فقر شاہ روزگار
ذات پاکش ، مرشدِ راہِ یقیں — نور ذاتش شد بعالم آشکار
در مہ شوال بہ تاریخ خمس — کوس رحلت زد بعالم برد کار
شد جہاں تاریک بس بے نور او — عالمے از ہجر او شد دل فگار
سال تاریخش بجستم از خرد — بود از شورش فراواں زار زار
خندہٗ و گفتا وَلِیٌّ لا یموت (۱۰۳۴ھ)
از حساب ابجدش می کن شمار

قبر پر پانچ فٹ لمبا اور فٹ چوڑا سنگِ سرخ کا منقش پتھر لگا ہوا ہے جس پر کلمہ طیبہ اور سورۂ اخلاص نہایت پاکیزہ خط نسخ میں تحریر ہے۔(تاریخ دیوبند ص ۱۰۷) (جاری ہے)

---

[1] ہوسکتا ہے کہ یہاں اولاد سیّد ابراہیمؒ نے مسافروں کے لیے کوئی سرائے بھی بنائی ہو اس لیے یہ محلّہ سرائے پیرزادگان کہلانے لگا ہو۔یہ آبادی عام زمین سے پانچ چھ فٹ اُونچائی پر ہے۔

سلسلہ نمبر ۶ قسط: ۳

"الحامد ٹرسٹ" نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہوسکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کردیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب ویکجا محفوظ ہوجائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظرِ ثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

سید محمد ابراھیم رحمہ اللہ

جدِّ اعلیٰ ساداتِ رضویہ دیوبند ضلع سہارنپور اور تاریخ علم ومعرفت

دیوبند میں سادات کے کئی خاندان ہیں مگر سب سے بڑا یہی خاندان ہے اور اپنے علم وفضل اور ارشاد وہدایت کے لحاظ سے ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ اس خاندان کے بزرگ تین صدیوں تک رشد وہدایت کی مسندوں پر متمکن رہے ہیں وہ تصوف وطریقت سے شغف کے ساتھ ساتھ علوم شریعت سے بھی آراستہ ہوتے تھے۔ جو لوگ ان کے پاس استفادہ کی غرض سے آتے تھے وہ اپنے دامن کو فیض سے بھر کر لوٹتے تھے۔

۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء میں سہارنپور کی عدالت میں ایک یادداشت پیش کی گئی تھی اس میں تحریر ہے کہ :

"حضرت سیّد محمد ابراہیم قدس اللہ سرہٗ کی بارگاہ کے طلبہ کی تعلیم اور درویشوں کے خورد ونوش کے مصارف اس آمدنی سے پورے کیے جاتے ہیں جو اس مقصد کے لیے شاہجہان بادشاہ نے حضرت سیّد صاحب کے فرزند اکبر حضرت بندگی محمد اسمٰعیل کو عطا فرمائی تھی"۔

بندگی سیّد محمد اسمٰعیلؒ اپنے والد بزرگوار کے بعد ان کے جانشین ہوئے اور تمام عمر درس وتدریس اور تربیت باطنی

میں مشغول رہے عہدِ عالمگیری کے فرامین میں ان کے لیے ''معارف آگاہ'' اور بعد وفات ''مغفرت پناہ'' اور ''غفران پناہ'' وغیرہ القاب لکھے گئے ہیں۔ ۲۹ر محرم ۱۰۹۲ھ/ ۱۶۸۱ء میں وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں بائیں جانب دفن ہوئے۔ لوح مزار پر یہ قطعہ کندہ ہے :

بست و نہ از محرم داد نقد جاں شیخ عصر اسمٰعیل
گفتہ شد ،شیخ کامل اکمل (۱۰۹۲ھ) از پئے یادگار سال رحیل

(تاریخ دیو بند ص ۱۰۹)

شاہانِ مغلیہ سیّد صاحب کے علم وفضل، زہد وتقوی اور رشد وہدایت سے واقف تھے انہوں نے بڑی قدرومنزلت کی، خانقاہ کے مصارف کے لیے زمینیں دیں اور فرامین جاری کیے۔ یہ فرامین بارہویں صدی ہجری کے آخر میں سکھوں کی تاخت وتاراج میں نذرِ آتش ہو گئے تھے۔ ایک فرمان جو ۱۷ جلوس شاہ جہانی مطابق ۱۰۵۴ھ/ ۱۶۴۴ء کو صادر ہوا تھا اس کی مصدقہ نقل ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء میں سہارنپور کی کلکٹری سے دستیاب ہو گئی تھی اُس میں لکھا ہے :

''دریں وقت فرمان عالی شان سعادت نشان مرحمت عنوان شرف صدور عزودرویاخت کہ دوصد بیگہ زمین از پرگنہ دیو بند سرکار سہارنپور دروجہ مدد معاش شیخ محمد اسمٰعیل از جملہ پانصد بیگہ زمین شیخ حاجی ابراہیم پدر مشارٌ الیہ بحسب خرچ خانقاہ بموجب اسنادِ حکام داشت حسب الضمن مقرر ومفوض باشد کہ حاصلات آں رافصل بفصل وسال بسال صرف معیشت خود نمودہ بدعا گوئی دوام دولت ابد قریں اشتغال می نمودہ باشند، می باید کہ حکام وعمال وجا گیرداران وکروڑیان حال واستقبال دراستمراء واستقرار ایں حکم اشرف اقدس اعلیٰ کوشیدہ آراضی مذکورہ راپیمودہ وچک بستہ بتصرف مومیٰ الیہ بازگزاشتہ اصلاً ومطلقاً تغیر وتبدل بداں راہ نہ دہند بعلت مال وجہات واخراجات مثل قتلغہ وپیش کش وجریمانہ ومحصلانہ ومہرانہ ودارو غگانہ وبیگار سرکاردہ ونیمی ومقدمی وصدوری وضبط ہر سالہ بعداز تشخیص چک بستہ دیگراز زراعت وکل تکالیف دیوانی ومطالبات سلطانی مزاحمت نہ رسانند ودریں باب ہر سالہ فرمان وپروانجات مجدد نہ طلبند داگر درمحل دیگر چیزے داشتہ باشند آں را اعتبار نہ کنند از فرمودہ تخلف وانحراف نہ نوازبند۔ تحریر فی التاریخ ۲۳ر جمادی الاول ۱۷ جلوس مقدس موافق ۱۰۵۴ھ۔''

فرمان کی پشت پر اس عطیہ کا مقصد خانقاہ کے مصارف ظاہر کیا گیا ہے، لکھا ہے :

''موازی دوصد بیگہ زمین از جملہ پانصدی کہ بموجب اسناد حکام وبجہت خرچ خانقاہ داشت از

پرگنہ دیوبند''۔

فرمان میں اُوپر کی جانب شاہی مہر ثبت ہے یہ مہر مربع شکل کی ہے۔وسطِ مہر میں شہاب الدین شاہجہان بادشاہ اور چاروں طرف صاحبِ قران تیمور تک فرماں رواؤں کے اسماء منقوش ہیں۔فرمان کی پشت پر سیّد جلال صدر الصدور اور اسلام خاں وغیرہ امرائے شاہجہانی کی مدّ ورمہریں ثبت ہیں۔

فرمان کی پشت پر آپ کا نام اور یہ حلیہ مرقوم ہے :

مشیخت پناہ شیخ محمد اسمٰعیل ولد شیخ حاجی ابراہیم ابن شیخ سعد اللہ۔گندم گوں ،فراخ پیشانی ،کشادہ ابروچشم ،بلند بینی ،ریش وبردت ،خال چند،داغ چیچک برروئے دارد سفید فام عمر تخمیناً پنجاہ سالہ۔

حضرت بندگی محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ خاص لکھی ہوئی ایک تحریر خاندان میں محفوظ ہے۔یہ ایک ہبہ نامہ ہے جوایک آراضی کے لیے آپ نے اپنے ایک فرزند کے حق میں تحریر فرمایا ہے،اس تحریر پران کے دوسرے فرزندوں کے دستخط بطورِشہادت موجود ہیں۔گوحالات وواقعات پر اس تحریر سے کوئی خاص روشنی نہیں پڑتی ،تاہم تبرکاً وتیمناً یادگار کے طور پر اس کی نقل پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا،تحریر یہ ہے :

منکہ فقیر محمد اسمٰعیل ام چوں پنج بیگہ زمین پختہ درنور پور ا؎ بجہت باغ بفرزندم محمد عارف دادم کہ باغ نمودہ حاصل زمین وباغ را محمد عارف قابض ومتصرف باشد ودیگرے راد خلے نیست ایں چند کلمہ نوشتہ دادم کہ ثانیاً حال بکار آید تحریراً فی تاریخ ۱۰؍ رمضان المبارک ۱۰۷۵ھ قلمی شد۔

آپ کی زوجہ محترمہ نصیب النساء،شیخ رحیم الدین کی صاحبزادی تھیں۔شیخ رحیم الدین سلسلہ قادریہ وسہروردیہ میں ایک بڑے پائے کے بزرگ تھے۔حضرت بندگی محمد اسمٰعیلؒ کے صاحبزادے سیّد جمیلؒ انہی نصیب النساء کے بطن سے تھے ۲؎ حضرت بندگی محمد اسمٰعیلؒ تمام عمر تربیت باطنی اوردرس وتدریس میں مصروف اورعلوم معرفت وشریعت سے دیوبند کی سرزمین کومنور فرماتے رہے۔حضرت جدِّ امجدؒ کی اولادواحفاد کا بڑا سلسلہ آپ ہی کے واسطے سے چلا ہے۔آپ کے حسبِ ذیل سات فرزند ہوئے :

سیّد محمد عارف ،سیّد شاہ شبلی ،سیّد محمد جمیل ،سیّد غلام مصطفٰے ،سیّد محمد سعید،سیّد محمد صادق،سیّد محمد صالح۔

بندگی محمد اسمٰعیل کے فرزند سیّد محمد عارف اوراُن کے فرزند سیّد وجیہہ الدین کی نسبت عہدِ عالمگیری کے پروانے میں تحریر ہے کہ :

ا؎ دیوبند کی آبادی کا جنوبی رقبہ سرکاری کاغذات میں نورپور کے نام سے موسوم ہے۔ ۲؎ تذکرۃ الحفاظ مؤلفہ مولانا محمد نعیم دیوبندی۔مطبوعہ آزاد پریس ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

دریں ولا شیخ وجیہہ الدین پسر غفران پناہ	شیخ وجیہہ الدین بن غفران پناہ معارف
معارف آگاہ شیخ محمد عارف، ولد مغفرت	آگاہ شیخ محمد عارف بن مغفرت پناہ بندگی
پناہ شیخ محمد اسمٰعیل کہ بصلاح وتقوٰی آراستہ	شیخ محمد اسمٰعیلؒ جو صلاح وتقوٰی سے آراستہ
لیاقت تمام دارد و بجائے پدر خود در خانقاہ	اور صاحب فضل وکمال ہیں وہ اپنے والد کی
بتدریس وتذکیر باجماعت طالب علماں	جگہ پر خانقاہ میں طلباء اور صوفیاء کی تعلیم
وفقراء صوفیاء مشغول است۔ ۳؎	وتربیت میں مشغول ہیں۔

سیّد محمد عارف نے شعبان ۱۱۵۰ھ بعہد محمد شاہ وفات پائی۔ اسی طرح کا ایک دوسرا فرمان امرائے عالمگیری میں محمد عرب بن محمد خسرو کی جانب سے ۱۰۹۷ھ ۳۰ جلوس عالمگیری میں سیّد محمد صابر بن محمد عارف کے نام صادر ہوا ہے۔ یہ سب حضرات اپنے جدِّ بزرگوار کے مزار کے احاطے میں مدفون ہیں۔

رحمة اللّٰه فی مقابرهم

من کبار الٰی اصاغرهم

عام خیال یہ ہے کہ دیوبند میں دینی علوم کا یہ چرچا دارالعلوم کے قیام ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء سے وابستہ ہے۔ مگر عہدِ عالمگیر کے ان پروانوں سے واضح ہوتا ہے کہ سیّد صاحب کی خانقاہ میں اُس دور کی روش کے مطابق بیعت وارشاد کے ساتھ ساتھ تعلیم وتدریس بھی جاری تھی۔ خانقاہ میں طالبانِ علم اور درویش دونوں رہتے تھے، جن کو خانقاہ سے کھانا ملتا تھا۔ تعلیم کی ترویج واشاعت کے لیے اسلامی عہدِ حکومت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ ملک میں جہاں جہاں علماء ومعلمین رہتے تھے ان کے لیے شاہی خزانے سے ''مدد معاش'' مقرر کردی جاتی تھی تاکہ علماء فراغتِ خاطر کے ساتھ ساتھ درس وتدریس میں مشغول رہ سکیں۔ طلباء ومتعلمین کے لیے اوقاف عام تھے جن سے اُن کی تعلیم اور خورد ونوش وغیرہ کے مصارف پورے کیے جاتے تھے۔ موجودہ اصطلاح کے مطابق یہ ایک طرح کے وظائف تھے، اس طریقے کے باعث تعلیم مفت، عام اور سہل الحصول ہوگئی تھی۔

اسی طرح جو مشائخ وصوفیاء اپنے اوقات کو رُشد وہدایت اور روحانی فلاح وتربیت میں مصروف رکھتے تھے حکومت کے لیے ضروری تھا کہ ایسے باخدا لوگوں کے لیے بھی ''مدد معاش'' کا معقول انتظام کرے۔ اشاعتِ تعلیم کا موجودہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے مدارس کے لیے عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ بعد ازاں اُن کے لیے استاد اور فرنیچر مہیا کیا جاتا

۳؎ پہلا فرمان ۹ رشعبان ۲۴ جلوس عالمگیری میں غضنفر خاں صوبہ دار دوآبہ کے دستخط سے، اور دوسرا ۳۰ جلوس میں محمد عرب کے دستخط سے جاری ہوا ہے، یہ دونوں فرمان خاندانی کاغذات میں موجود ہیں۔ (تذکرۂ سادات رضویہ ص ۱۳ و ۱۴)

ہے۔ ان مصارف کا کسی قدر حصہ فیس کی شکل میں طلباء سے وصول کیا جاتا ہے اور کچھ مصارف حکومت اُٹھاتی ہے مگر قدیم طرز اس کے برعکس تھا، اس طریقِ تعلیم میں علماء وفضلاء بطور خود کسی معاوضے کے بغیر طلباء کو تعلیم دیتے تھے حکومت کے فرائض میں یہ بات داخل تھی کہ ایسے لوگوں سے باخبر رہے اور ان کو مالی مدد بہم پہنچانے کا بندوبست کرے۔ طلباء کی تعلیم اور اُن کے قیام کا کام بالعموم مسجدوں اور خانقاہوں کے حجروں سے لیا جاتا تھا۔

دیوبند میں یہ خانقاہ دینی علوم کی اولین شعاع تھی جس کو گیارہویں صدی کے اوائل میں حضرت سیّد محمد ابراہیم قدس سرہ کے مقدس ہاتھوں نے روشن کیا تھا۔ مشہور روایت ہے کہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) جب دیوبند تشریف لائے ؎ تو فرمایا ''یہاں سے علم کی بو آتی ہے''۔ سیّد احمد شہیدؒ کے اس ارشاد کو دارالعلوم کی نسبت بطورِ مکاشفہ پیش گوئی کہا جاتا ہے۔ مگر درحقیقت حضرت شہیدؒ نے جس بو کا ذکر کیا تھا وہ اسی گلدستۂ علم کی بو تھی، جو سیّد سہیدؒ کی تشریف آوری کے قریبی زمانے تک موجود تھا، تحریکِ دارالعلوم کے پس منظر کا اگر غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو من جملہ دوسرے اسباب کے قیام دارالعلوم کا ایک بڑا سبب یہ خانقاہ اور اس کا مدرسہ بھی ہے۔ چنانچہ حضرت بندگی محمد اسمٰعیلؒ کے فرزند محمد عارفؒ (وفات ۱۰۹۳ء) کے نام عہدِ عالمگیری میں جو پروانہ صادر ہوا اُس میں مرقوم ہے :

> ''متصدیان مہمات حال واستقبال پرگنہ دیوبند بدانند کہ چوں مولذی ہفتاد و یک بیگہ نہ بسوہ زمین بگز الٰہی منجملہ پانصد بیگہ بموجب اسناد وحکام وبموجب پروانہ بمہر ایں جانب باسم غفران پناہ شیخ محمد عارف ولد مغفرت پناہ بندگی حضرت شیخ محمد اسمٰعیلؒ از قدیم الایام بجہت خرچ خانقاہ از پرگنہ مذکورہ مقرر است معارف آگاہ شیخ محمد عارف مرحوم ودیعت حیات سپرد دریں ولد شیخ وجیہہ الدین پسر شیخ مرحوم بصلاح وتقوٰی آراستہ لیاقت تمام دارد بجائے پدر خود خانقاہ بتدریس وتذکیر با جماعت طالب علمان وفقراء وصوفیان مشغول است واوخرچ خانقاہ فی سبیل اللہ مصروف ست بنابراں تصدق فرق بارک بندگان حضرت سلیمان منزلت زمین وزمان باعث امن الامان........موازی مسطور بدستور سابق از محل قدیم باسم پسر شیخ مرحوم مذکور، بموجب خمس شرط قبض وتصرف آں مقرر مسلم داشتہ شد کہ حاصلات آں را فصل بفصل وسال بسال صرف معیشت طالب علماں وفقراء و صوفیان خانقاہ خود نمودہ بدعا گوئے دوام ودولت ابد اشتغال می نمودہ باشد۔ تحریر فی التاریخ ہفتد ہم شہر شوال المکرّم ۲۶ھ۔

یہ پروانہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں غضنفر خاں فوجدار دوآبہ کی مہر سے ۲۷ رشوال ۲۶ جلوس عالمگیری

؎ تاریخ دیوبند ص ۲۰۴ تا ۲۱۳

مطابق ۱۰۹۳ھ/۱۶۸۱ء میں جاری ہوا ہے، اسی طرح کا ایک دوسرا پروانہ امرائے عالمگیری میں محمد عرب ابن خسرو محمد کی مہر و دستخط سے ۱۱رشعبان المعظم ۳۰ جلوس مطابق ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۵ء کو جاری ہوا ہے۔ یہ دونوں پروانے اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ (تذکرہ سادات ص ۱۵و۱۶)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جو لوگ علم اور دین کی خدمات محض لوجہ اللہ انجام دیتے تھے حکومت اُن کو مالی امداد بہم پہنچاتی تھی تاکہ وہ فراغت اور سکون خاطر کے ساتھ دینی خدمات انجام دینے میں مشغول رہیں۔

ایسے علماء و مشائخ جو متوکلانہ طور پر تمام عالم سے بے نیاز ہو کر شبانہ روز درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں اپنے آپ کو مصروف رکھتے تھے مغلیہ عہدِ حکومت میں اُن کے خورد و نوش کے لیے حسبِ ضرورت جو زمین دی جاتی تھی سرکاری مال گذاری سے مستثنٰی ہوئی تھی، اُسے ''مدد معاش'' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا جن وجوہ سے ''مدد معاش'' دی جاتی تھی اس کے لیے ایک مستقل محکمہ قائم تھا۔ نہایت راست باز اور دیانتدار اشخاص اس محکمے کے لیے منتخب کیے جاتے تھے، اُن کے لیے ضروری تھا کہ ایسے لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں جن کے لیے ''مدد معاش'' ضروری ہو۔ اس محکمے کا افسرِ اعلیٰ ''صدر'' کہلاتا تھا، قاضی اور میر عدل اس کے ماتحت ہوتے تھے، صدر کے کاموں میں مدد دینے کے لیے ایک عہدہ ''دیوانِ سعادت'' کا بھی ہوتا تھا، تفصیل کے لیے دیکھئے آئینِ اکبری مصنفہ شیخ ابوالفضل آئینِ سبور غال۔

فرامینِ شاہی اور پروانہ جات میں ان حضرات کی نسبت یہ الفاظ لکھے گئے ہیں: ''غفران پناہ''، ''مشیخت پناہ''، ''حقائق و معارف آگاہ'' ان الفاظ سے ان حضرات کے علم و فضل، زہد و تقوٰی، شرف و مجد، قدر و منزلت اور ان کی علمی و دینی خدمات کا فی الجملہ اندازہ کیا جا سکتا ہے، آخری دور میں خاندان کے ایک بزرگ سیّد نور الحق کا وظیفہ نواب نجیب الدولہ (وفات ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء) کی سرکار سے جاری تھا۔ حضرت جدِ اعلیٰ کے زمانہ سے لے کر ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء کی آشفتگی تک خانقاہ میں اباً عن جدٍ درس و تدریس اور بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عہد کی بعض علمی یادگاروں میں سیّد وجیہہ الدین اور سیّد محمد صابر کے لکھے ہوئے چند فتاوٰی ہیں جو فرائض (تقسیم ترکہ) سے متعلق ہیں، سیّد محمد صابر کے فتوٰی پر ۱۲۴۶ھ اور سیّد وجیہہ الدین کے فتوٰی پر ۱۲۵۱ھ کی مہر ثبت ہے۔ جب آشفتگی میں خانقاہ تباہ و برباد ہوئی (اس کا ذکر آگے آتا ہے) تو سارا نظام درہم برہم ہو گیا، خاندانی روایات اور بعض ان مختلف کاغذات سے جو زمانے کے دستبرد سے محفوظ رہ گئے ہیں اس زمانے کے کسی قدر حالات کا پتہ چلتا ہے۔

عہد فرخ سیر (۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء۔۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) کے ایک پروانے میں مرقوم ہے :

متصدّیان مہماتِ حال واستقبال پرگنہ ملہی پور سرکار سہارنپور مضاف صوبہ دارالخلافہ بدانند موضع

محمد پور عرف داکولی درزمینداری سیادت مآب سیّد وجیہہ الدین وسیّد نظام الدین ۵ مقرر است می باید کہ دراستمالت وپرداخت مزارعان موضع مذکور دریں باب تاکید اکید دانند ،تحریر ہفت دہم شہر ذیقعدہ ۵(۱۱۲۸ھ) پروانے پر سید نجم علی خاں کی مہر ثبت ہے۔

محمد شاہ بادشاہ (۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء۔۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۷ء) کے عہد میں سیّد ابرار اللہ بن فضل اللہ کو دیوبند اور اس کے اطراف وجوانب کا قاضی مقرر کیا گیا۔ان کے فرائض میں فصلِ قضایا (مقدمات اور نکاح خوانی کے علاوہ جمعہ کی خطابت وامامت بھی شامل تھی، خاندان کے وہ افراد جن سے محکمہ قضاء متعلق تھا دیوبند سے ترکِ وطن کر کے قریب کے ایک قصبہ رامپور (ضلع سہارنپور) چلے گئے اور وہیں اب تک آباد ہیں۔محمد شاہ کا وہ فرمان جس کی رو سے سیّد ابرار اللہ کو محکمہ قضا سپرد کیا گیا، اس کی نقل یہ ہے :

نقل سند قضاءت محمد شاہ بادشاہ مہری خان ترخان

عن الديوان الصدرة العالية العلية

گماشتہائے جاگیرداران وکروڑیان وجمہور سکنہ پرگنہ دیوبند سرکار سہارنپور صوبہ دارالخلافہ شاہ جہاں آباد را اعلام آنکہ

حسب الحکم جہاں مطاع آفتاب شعاع گردوں ارتعاع منصب قضائے پرگنہ مسطور معہ سواد قصبہ ودہات متعلقہ است سیّد ابرار اللہ بن فضل اللہ مقرر ومفوض گشتہ فرمان والا شان درست می شود باید کہ برطبق حکم فیض شیم .... مشار الیہ قاضی آنجا دانستہ دست قصدی مومیٰ الیہ درامورِ متعلقہ الخدمت مستقل دانند ودیگرے را سہیم وشریک او ندانند و....... کہ بمہر اد شمارند کہ کما ینبغی بلوازم منصب مزبور قیام نمودہ درفصل قضایا وخصومات واجرائے حدود وتعزیرات واقامت جمعہ و...... تجاویز......فیصلہ......والنکاح من الدولی× وقسمت تبرکات وحفظِ اموال غیب واہتمام وتعین اوصاد نصب قوام مساعی موفورہ.......دریں باب مرعی داشتہ حسب المسطور بعمل آرند۔بتاریخ غرہ شہر ذی الحجہ ۲۳ جلوس والاقلمی شد رص (مطابق ۱۱۵۴ھ/ ۴۲۔۱۷۴۱ء) بتاریخ ذی الحجہ ۲۳ جلوس والا داخل سیاہہ شد بتاریخ غرہ شہر ذی حجہ ۲۳ جلوس والا نقل بدفتر دیوان الصدارت رسید معہ خرچہ دلیل ۶

۵ سیّد نظام الدین نے ۲۵ رشوال ۱۲۵۱ھ کو وفات پائی ۶ فرامین سلاطین مرتبہ مولوی بشیر الدین مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی ۱۳۴۴ھ ص ۱۵۳ و ۱۵۴

نوٹ : یہ سند بہت بوسیدہ ہے، اس کے کاغذ پر سنہری پھول بنے ہوئے ہیں طول وعرض ۱۲×۹ انچ ہے، جن مقامات پر حروف مٹ گئے ہیں، وہاں نقطے لگادیئے گئے ہیں۔)

بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں خانقاہ کوایک زبردست حادثہ پیش آیا جس میں خانقاہ کی چہار دیواری اور مسجد بھی منہدم ہوگئی۔ ہوا یہ کہ ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۷۵ء میں جو مغل سلطنت کے زوال اور طوائف الملو کی کا زمانہ تھا دہلی کی مرکزی حکومت اتنی کمزور ہوگئی تھی کہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے کی صلاحیت بھی اس سے رخصت ہوچکی تھی اس وقت شمالی ہند میں سکھوں کی تاخت وتاراج اورلوٹ مار اپنے شباب پر تھی۔سکھوں کے ایک بڑے گروہ نے جوایک لاکھ سوار پیادوں پر مشتمل تھا دیو بند پر قزاقانہ حملہ کیا، لوٹ مار کے دوران میں جن لوگوں نے مزاحمت کی سکھوں نے قابو پا کراُن کے مکانوں کولوٹ کرآگ لگادی، اس حادثے میں دیو بند کے کئی محلے جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے، خانقاہ کے ساتھ بھی یہی تباہی پیش آئی، چونکہ خانقاہ دیو بند کی آبادی سے باہرایک کھلے مقام پر واقع تھی اور حفاظت کے وہ ذرائع جوشہر میں حاصل تھے یہاں موجود نہ تھے اس لیے لوٹ مار کرنے والوں نے یہاں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی، اس حادثے میں خانقاہ اس طرح تباہ وبرباد ہوئی کہ بعد میں پھراس کی تلافی نہ ہوسکی۔ایک یادداشت میں مرقوم ہے کہ :

> ''۹ر ربیع الاول ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۷۵ء کوسکھوں کے ایک لاکھ سوار پیادوں نے دیو بند پر حملہ کیا، ہماری آبادی (خانقاہ) کا محاصرہ کرکے ہمارے مکانوں کو لوٹ کر آگ لگادی ،انھوں نے ہمارے گھروں میں نقد، زیوراور برتن وغیرہ کوئی چیز نہیں چھوڑی ، یہ لوگ ۱۸ر دن تک یہاں ٹھہرے اور نہایت اطمینان کے ساتھ انھوں نے ہمارے گھروں کولوٹا اور پھرنذرِ آتش کردیا، ان غارت گروں کے چلے جانے کے بعد ہم اپنے سوختہ گھروں میں داخل ہوئے ،اپنے مقتولوں کی تجہیز وتکفین کی، شاہی فرامین اوردستاویزات میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سب جل کرراکھ بن گئی تھیں''۔ ۱؎

تاسحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

دیو بند کی تاریخ میں یہ وہ قیامت خیز سانحہ ہے جس نے ڈیڑھ سو سال کی شمع علم کوایسا بجھایا کہ آج اس کے آثار ونقوش ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔

ایسا مٹا چمن کہ نشاں تک نہیں رہا

دیو بند پر سکھوں کے اس حملہ کی پوری تفصیل تاریخ دیو بند میں درج ہے۔حضرت سیّد محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ دیو بند کی آبادی سے باہر جنوب کی جانب دیوی کنڈ کے قریب واقع تھی، خانقاہ کی عمارت کا کوئی حصہ اب موجود نہیں

۱؎ تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخ دیو بند ص ۱۷۹-۱۸۲

ہے، مذکورہ بالا حادثے میں تمام عمارتیں منہدم ہوگئی تھیں صرف جا بجا چہار دیواری کے آثار پائے جاتے ہیں، حضرت سیّد صاحب کی اولاد مدت ہوئی شہر میں منتقل ہوچکی ہے، صرف ایک دو گھر باقی رہ گئے ہیں اور وہ بھی خستہ حال اور روایات اسلاف سے محروم ہیں، آج کل یہاں زراعت پیشہ لوگ آباد ہیں۔ اب یہ جگہ ''سرائے پیرزادگان'' کے نام سے موسوم ہے سکھوں کے حادثے میں خانقاہ کی دوسری عمارتوں کی طرح مسجد بھی جو عہدِ جہانگیری کی تعمیر تھی منہدم ہوگئی تھی، ساداتِ رضویہ کے مشہور بزرگ حضرت سیّد محمد انور صاحبؒ نے ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں قدیم بنیاد پر از سرِ نو مسجد تعمیر کرائی، مسجد میں جو کتبہ نصب ہے وہ اسی دوسری تعمیر کا ہے۔ (تذکرہ ساداتِ رضویہ ص۱۶ تا ۱۸)

رضوی صاحب لکھتے ہیں :

''اس زمانے کی علمی تاریخ کو سمجھنے کے لیے اس بات کا پیشِ نظر رہنا نہایت ضروری ہے جس کے بغیر تاریخ کا کوئی طالب علم حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ یہ ہے کہ اس دور میں علم آج کل کی طرح مدارس کے احاطے اور دیواروں کی قید و بند میں مقید اور محدود نہ تھا، مدارس کے لیے مستقل عمارتیں بنانے کے بجائے اس زمانے میں زیادہ تر یہ کام مسجدوں اور خانقاہوں کے حجروں، علماء کے مکانات اور امراء کی ڈیوڑھیوں سے لیا جاتا تھا۔ تعلیم مفت ہوتی تھی غریب طلبہ کے کھانے، کپڑے اور لکھنے پڑھنے کے لیے کتابیں وغیرہ بغیر کسی معاوضہ کے مہیا کی جاتی تھیں۔ علماء کے علاوہ امراء بھی عموماً صاحبِ علم و فضل ہوتے تھے اپنے کاموں کے علاوہ درس و تدریس بھی ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ ہوتا تھا۔

منتخب التواریخ میں بدایونی نے لکھا ہے کہ :

''میر فتح اللہ شیرازی جو اکبر کے عہد میں وزارت پر فائز تھا وقتاً فوقتاً طلبہ کو درس دیتا رہتا تھا۔'' (منتخب التواریخ بدایونی ذکر میر فتح اللہ شیرازی)

عربی صرف کی مشہور کتاب ''علم الصیغہ'' اور'' تاریخ حبیب اللہ'' کے مصنف مفتی عنایت احمد (وفات ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء) منصف کے عہدہ پر فائز تھے عدالت میں بھی شاگردوں کا مجمع ساتھ رکھتے تھے دورانِ مقدمات جہاں فرصت ملتی درس شروع ہوجاتا تھا۔ (استاذ العلماء ص۵ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ساری عمر مطابع میں تصحیح کتب کا کام کرتے رہے مگر اسی کے ساتھ درس و تدریس کی مجلس بھی گرم رہتی تھی (سوانح قاسمی ص۲۰ و ۲۱)۔ اب سے کچھ عرصہ تک ایسے علماء موجود تھے جنہوں نے گنگوہ کی خانقاہ قدوسی میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے علم حدیث کی تحصیل کی ہے۔ (تاریخ دیوبند ص۲۶۴ و ۲۶۵)

مسجدوں میں اکثر و بیشتر ایسی عمارتیں بنائی جاتی تھیں جو طلبہ کے درس وتدریس اور قیام کے کام میں آسکیں چنانچہ اس زمانے کی اکثر مساجد کے صحنوں کے اطراف میں حجروں اور دالانوں کا وسیع سلسلہ نظر آتا ہے۔ دہلی میں مسجد فتحپوری جو شاہجہان کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی اسی طرز کی قدیم یادگار ہے مسجد فتحپوری کے وسیع صحن کے گرد جو حجرے اور دالان بنے ہوئے ہیں وہ آج بھی اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔ جون پور کی مسجد اٹالہ کے صحن کے اطراف میں درس وتدریس کے لیے دالان بنائے گئے، دیوبند کی جامع مسجد میں بھی اسی طرز پر حجرے اور دالان بنے ہوئے ہیں۔ جب تک دارالعلوم کی موجودہ عمارت تیار نہیں ہوئی مسجد ہی سے مدرسہ کا کام بھی لیا جاتا تھا۔

عموماً ہمارے بڑے بڑے مدرسوں کا آغاز مسجدوں ہی سے ہوا ہے۔ جامع ازہر (مصر) قاہرہ، جامع قزوین (مراکش کے شہر فاس میں) اور جامع زیتونہ اس کی مثالیں ہیں۔ جامع قزوین ازہر سے بھی پرانی ہے کچھ عرصہ قبل مراکش کے بادشاہ حسن الثانی نے اس کے گیارہ سو سال پورے ہونے کا جشن بڑی دھوم دھام سے منایا تھا۔ یہ صرف مسجدیں ہی نہ تھیں بلکہ اپنے وقت کی عظیم درسگاہیں بھی تھیں جن میں تعلیم کے علاوہ قیام اور خورد ونوش کی تمام سہولتیں طالبانِ علم کو حاصل ہوتی تھیں۔ غرض کہ اس طرح برطانوی عہد سے پہلے ملک میں مدارس کا جال بچھا ہوا تھا اور گھر گھر علم کا چرچا رہتا تھا۔ مسجدیں اور خانقاہیں اہلِ علم کی آوازوں سے ہر وقت گونجتی رہتی تھیں یہی وجہ تھی کہ مدارس کے لیے مستقل عمارتیں بنانے کا رواج اُس زمانے میں بہت کم تھا۔

آخری زمانہ میں دیوبند میں قدیم طرز کے صرف تین مدرسوں کا پتہ چلتا ہے ایک مدرسہ مولوی مہتاب علی کا تھا حضرت مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی کی عربی تعلیم کا آغاز اسی مکتب سے ہوا تھا۔ دوسرا میاں جی امام علی کا تھا جو امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے۔ اور تیسرے مدرسہ میں جو بحال سنگھ مصّر رئیس دیوبند کے مکان پر جاری تھا۔ دیوبند کے مشہور بزرگ میاں جی منّے شاہ صاحبؒ پڑھاتے تھے ان مدرسوں میں ہندو اور مسلمان بچے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے نصابِ تعلیم میں فارسی زبان اور حساب داخل تھا۔ اگرچہ ان مدارس کی تعلیم آج کل کی طرح باضابطہ نہ تھی مگر استادوں کا فیضانِ نظر شاگردوں میں غیر معمولی صلاحیت، علمی پختگی اور اخلاقی درستگی پیدا کر دیتا تھا جن لوگوں کو ان مدرسوں کے پڑھے ہوئے اشخاص سے واسطہ پڑا ہے وہ اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت مسلمانوں کے نقشِ قدم پر قائم ہوئی تھی اس کی حکومت نے سلطنتِ مغلیہ کی جگہ پائی تھی۔ اٹھارویں صدی کے اواخر میں کمپنی کی حکومت نے کلکتہ اور دہلی میں مشرقی علوم کے ادارے قائم کیے، عام شہروں اور قصبات میں مڈل اسکول جاری کیے گئے ان اداروں میں جو نصاب جاری کیا گیا اس کا مقصد کمپنی کی حکومت کے لیے کارکن پیدا کرنا تھا۔ (تاریخ دیوبند از ص ۲۶۵ تا ۲۶۸ ملخصاً) (جاری ہے)

سلسلہ نمبر ۶ قسط: ۴

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہوسکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کردیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہوجائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظرِ ثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

تذکرۃ العابدین [۱] میں ہے :

''سات سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھا پھر فارسی پڑھنی شروع کی۔ بارہ سال کی عمر تھی کہ مولانا ولایت علی صاحب دیوبند تشریف لائے۔ حاجی صاحب نے اُن سے بیعت کی، نماز پنجگانہ اور تہجد کا اُسی روز سے شوق ہوا کہ کبھی قضا نہ ہونے پائی۔ جب مولوی ولایت علی صاحب سہارنپور گئے آپ بھی ان کے ہمراہ گئے مگر بڑے بھائی آپ کے اگلے روز جا کر اور مولوی صاحب سے کہہ کر لوٹا لائے۔ حاجی صاحب کو ازحد رنج ہوا ''۔ (ج ۱ ص ۶۲)

---

[۱] تذکرۃ العابدین مصنفہ مولانا نذیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۳۳۳ھ۔ مولانا نذیر احمد صاحب کو حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہما سے خلافت حاصل تھی۔ انھوں نے اپنے مرشد کے علاوہ سلاسل اربعہ معروفہ وغیرہا کے مشائخ کے حالات بھی لکھے ہیں۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔ ان کی وفات ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۷ء میں ہوئی۔ تاریخ دیوبند میں دیوبند کے خاندانِ عثمانی کے حالات میں آپ کا ذکر ص ۱۸۱ پر ہے۔

مولانا نذیر صاحب نے اپنی اس کتاب تذکرۃ العابدین کی وجہ تالیف کتاب کے ابتداء میں حمد وثناء ودعاء پر مشتمل نظم میں لکھی ہے اس کے چوالیس اشعار ہیں۔ وجہ تالیف کے یہ ہیں : (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ بھی حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ انہیں مولانا ولایت علی صاحب سے شرفِ بیعت حاصل ہوا بلکہ ملفوظاتِ انوری میں نقشہ سلاسل سے معلوم ہوا کہ طریقہ نقشبندیہ میں مولانا نے حاجی صاحب کو اجازت سے بھی مشرف فرمایا۔ مولانا ولایت علی صاحب حضرت سیّد احمد شہید قدس سرہٗ کے خلفاء میں تھے۔ ہم نے مولانا ولایت علیؒ کے کچھ حالات تذکرۃ العابدین میں ص ۱۳۴ سے دیئے ہیں اور مفصل حالات علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم میں ''علماء صادق پور'' کے حالات میں دیئے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاہدِ کبیر حضرت مولانا ولایت علی صاحب فاروقی قدس سرہٗ العزیز ایک نہایت متمول اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

حاشیہ صفحہ گزشتہ :

کر مرے سینے کو پُر اسرار سے — اور وہ ہوں اسرار پُر انوار سے
کر مری امداد اے رب العُلا — تا کروں تحریر ذکر اولیاء
پیر بھائی میرے دیں کے رہنما — عارف مقبول تھے وہ باخدا
نامِ نامی جن کا انور شاہ ہے — مرتبہ سے جن کے تو آگاہ ہے
مجھ سے فرمایا اُنہیں نے بارہا — کیوں نہیں لکھتا تو ذکرِ اولیاء
ہے فقط تعمیل حکم پیر جی — کب لیاقت مجھ میں ہے تحریر کی
میں کہاں اور کام یہ مشکل کہاں — میں بھلا اس کام کے قابل کہاں
ہاں مگر امداد سے تیری ضرور — ہے مجھے اُمید اے ربِ غفور
کرتا ہوں تیرے بھروسہ پر یہ کام — پائے یہ باحسن و خوبی اختتام
یاوسیع تیری رحمت ہے وسیع — سُن لے میری التجائیں یاسمیع
ہے مرا مرشد امام العارفین — ہے مرا مرشد امام السالکین
ہند میں روشن ہے مثلِ آفتاب — ہو رہا ہے اک زمانہ فیضیاب
کیا کہوں کیسے ہیں میرے دستگیر — شاہ ہیں شاہوں کے اور پیروں کے پیر
التجا میری یہ ہے اے کِردگار — فیض کو مرشد کے رکھ تو برقرار
اور مرے ماں باپ کو بھی اے خدا — جنت الفردوس میں رکھنا سدا
اے خدا اے بادشاہ دادگر — اپنی رحمت سے مجھے بھی شاد کر
تجھ سے ہی حاجت رکھوں اے کرد گار — ہوں نہ دنیا میں کسی سے خواستگار
اپنی ہی اُلفت میں رکھنا مجھ کو تو — تا نظر بھٹکے نہ میری کو بہ کو

(تذکرۃ العابدین ص۲ ج۱)

آپ ''پٹنہ'' (بہار) کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں پڑھنے آئے اور تحصیلِ علوم کی اور مایہ نازعالم بنے۔ اُسی زمانہ میں سیّد صاحب اپنے وطن مالوف رائے بریلی جاتے ہوئے لکھنؤ قیام فرما ہوئے اُن کے استاذ مولانا محمد اشرف صاحب جو بہت بڑے منطقی فلسفی عالم تھے اپنے اس مایۂ ناز شاگرد کو لے کر سیّد صاحب سے ملنے گئے، تخلیہ چاہا۔ سیّد صاحب پورے عالم نہ تھے لیکن آیت مبارکہ **وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين** (ہم نے آپ کو اسی لیے بھیجا ہے کہ تمام جہانوں پر رحمت ہو) پر بیان شروع فرمایا۔ یہ سلسلہ بیان دو گھنٹے جاری رہا جس کا اتنا اثر ہوا کہ منطق وفلسفہ اور اعتراضات سے ذہن خالی ہوگیا اور بقول سوانح نگار :

''دونوں کی داڑھیاں روتے روتے تر ہوگئیں''۔

یہی مولانا ولایت علی صاحب ہیں جو سیّد صاحبؒ کے ساتھ رہے۔ سیّد صاحبؒ کا پٹنہ وغیرہ کا کامیاب دورہ کرایا۔ بقول ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ''اِن کے (سیّد صاحبؒ کے) مریدوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ایک باقاعدہ نظامِ حکومت کی ضرورت پیش آئی۔ انہوں نے باقاعدہ اپنے ایجنٹ مقرر کیے تاکہ ہر اس شہر سے جو ان کے راستہ میں پڑتا ہو تجارت کے منافع پر ٹیکس وصول کریں۔ اس کے بعد انہوں نے چار خلیفے مقرر کیے یعنی رُوحانی نائب اور ایک قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ اور اس کے لیے ایک باقاعدہ فرمان جاری کیا جیسا کہ مسلمان بادشاہ اپنے صوبہ جات میں اپنے گورنر مقرر کرتے وقت کیا کرتے تھے۔ اس طرح پٹنہ میں ایک مستقل مرکز قائم کرنے کے بعد وہ یہاں سے روانہ ہوئے''۔

اس میں ان خلفاء کے نام نہیں لیے گئے غالبًا اُن کے نام یہ ہیں : مولانا سیّد مظہر علی صاحب، مولانا الٰہی بخش صاحب، مولانا ولایت علی صاحب، مولانا عنایت علی صاحب اور قاضی القضاۃ مولانا شاہ قاضی احمد حسین صاحب (شاندار ماضی جلد سوم از اول تا ص ۶۸)

پھر مولانا ولایت علی صاحب نے سیّد صاحب کی شہادت کے بعد ''پٹنہ'' کو بھی مرکز بنایا اور ستھانہ میں بھی جہاں بالاکوٹ سے بچے ہوئے مجاہدین نے نوشہرہ کے علاقہ میں دریائے سندھ سے اوپر ''کوہ ستھانہ'' ۲؎ میں (جو ساڑھے سات ہزار فٹ کی بلندی پر ہے) اپنا مرکز بنالیا تھا۔ (جب آریا ترک وطن کر کے کوہ ہندوکش سے گزر کر اس مقام پر پہنچے تھے تو انہوں نے اسے ''مہابن'' کا نام دیا تھا۔ اس وقت یہ بہت عظیم بن تھا) اِدھر پٹنہ کے مرکز سے بنگال وبہار میں اپنے رسائل کے ذریعہ جو سوکے قریب تھے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا اور اُدھر ''ستھانہ'' سے جہاد بالسیف بھی کیا۔ سیّد صاحب کے بعد بالکل اسی طرز پر فریضۂ جہاد کی ادائیگی میں آپ ہی اُن کے جانشین ہوئے۔

۲؎ آجکل اسے اِستَھانہ کہتے ہیں لیکن پشتو میں الف کے بغیر بسکون السین ابتداء بالسکون کے ساتھ اس کا تلفظ ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۲۰۵ھ میں اور وفات ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں بعمر ۶۴ سال بعارضۂ خناق ہوئی، ستھانہ میں مدفون ہوئے۔ دخل خلدا تاریخ وفات ہے۔ مولانا کے حالات ہر عالم کے لیے ایک درس ہیں مگر یہاں ان کے بیان کی گنجائش نہیں۔(دیکھیں شاندار ماضی جلد سوم)

حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر مولانا ولایت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ستھانہ چلے جاتے تو جہاد میں شرکت ہوسکتی تھی مگر خداوند کریم کو آپ سے دوسرا کام لینا تھا۔

حضرت مولانا ولایت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جدا ہوکر دیوبند تو آ گئے مگر چند ہی روز بعد آپ حصولِ علم کے شوق میں دہلی تشریف لے گئے لیکن والد ماجد کی علالت کے باعث کچھ عرصہ بعد ہی واپس دیوبند تشریف لے آئے بہت روز اُن کا علاج کراتے رہے لیکن وہ صحت یاب نہ ہوسکے اور وفات پا گئے ان کی وفات کے بعد آپ نے تجارت کا سلسلہ شروع کیا اور عطار کی دُکان کر لی۔

میاں جی کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ :

اِن دنوں ایک بزرگ حضرت میاں جی کریم بخش صاحب انصاری رامپوری [۳] دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے آپ نے ان سے بیعت ہونے کی درخواست کی بعد استخارہ شرفِ بیعت حاصل ہوا۔(ولادت ۱۲۳۴ھ وفات ۱۷ ارشوال ۱۲۷۹ھ)۔(تذکرۃ العابدین ص ۶۳)

ادھر ان ہی دنوں میاں جی کریم بخش صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ آسمان پر ایک بہت بڑا ستارہ ہے اس کے گرد اور بہت سے ستارے ہیں۔ بڑا ستارہ ان کی گود میں آ گیا ہے۔ میاں جی رحمۃ اللہ علیہ نے صبح کو مریدین سے فرمایا کہ مجھ سے کوئی سیّد بیعت ہوگا متبع سنت ہوگا اس سے لوگوں کو بڑا فیض پہنچے گا اور وہ بہت سے دینی کام انجام دے گا۔(تاریخ دارالعلوم ج ۲ ص ۲۲۲)

میاں جی کریم بخش صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا محمود حسن صاحب رامپوری انصاری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۶۹ء سے خلافت حاصل تھی (ولادت ۱۲۲۹ھ، وفات ۱۲۶۹ھ ۱۷ رذی قعدہ)۔(تاریخ دارالعلوم ص ۲۲۲)

حضرت حاجی صاحبؒ حضرت میاں صاحب سے بیعت ہوئے مقامات سلوک طے کیے اور مجاز ہوئے۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ آپ کے شیخ میاں جی کریم بخش صاحب رحمہ اللہ نے اپنی حیات میں اپنے صاحبزادے میاں حسن علی صاحب اور اپنے پیر کے بیٹے میاں محمد صدیق صاحب کو بھی بیعت کرا دیا۔ ملخصاً از تذکرۃ العابدین ص ۶۵)

---

[۳] رامپور ضلع سہارنپور میں ایک بستی کا نام ہے اسے رامپور منہیاران کہا جاتا ہے وہ ہی مراد ہے ریاست رامپور مراد نہیں ہے۔

پھر لکھتے ہیں : اس کے بعد حاجی صاحب مع متعلقین ہمراہ مولوی محمد قاسم صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی مظفر حسین صاحب و مولوی نور الحسن صاحب مکہ معظّمہ کو روانہ ہوئے ۔ بمبئی میں حاجی صاحب کی ملاقات شاہ محمد امام صاحب قادری مدراسی سے ہوئی ۔ انہوں نے تبرکاً اجازت دی ۔ (ملخصاً تذکرہ ص ٦٦)

حج سے واپسی پر آپ نے اس کا (شاہ محمد امام صاحب قادری کی اجازت کا) ذکر میاں جی کریم بخش صاحبؒ سے کیا انہوں نے پسند فرمایا اور فرمایا کہ یہ بزرگ ابدال میں سے ہیں جنہوں نے میری اجازت پر صاد کی ہے ۔

اس کے کچھ عرصہ بعد میاں جی کریم بخش صاحبؒ کی ۱۷ر شوال ۱۲۷۹ھ میں وفات ہوگئی ۔

خلوت پسندی :

حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد چھتہ کی مسجد میں قیام اختیار فرمایا ۔ سب سے ملنا جلنا ترک کر دیا ۔ گھر کا سامان کپڑے وغیرہ فقراء میں تقسیم کر دیئے ، ایک کمبل اور تہہ بند یہ لباس اختیار کر لیا ۔ (آخر عمر تک یہی آپ کا لباس رہا اور مسجد چھتہ ہی میں قیام رہا) ۔ اس کے بعد ایک سفر کرنال اور پانی پت کا کیا ۔ وہاں حضرت شاہ راج خاں صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ انہوں نے بھی سلسلۂ قادریہ کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ (تذکرۃ العابدین ص ٦٧)

شاہ راج خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے نواح میں ایک معمر بزرگ گزرے ہیں ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ اسحٰق صاحب سے بہت تعلق تھا رحمہم اللہ ۔ چالیس سال تک جمعہ کے دن حضرت شاہ صاحب کے یہاں حاضر ہو کر جمعہ ادا کرتے رہے ۔ جمعہ کے بعد اُسی دن گھر واپس چلے جاتے تھے ۔ آپ کا مکان موضع سوندہ پرگنہ تاورد ضلع گوڑگاواں میں تھا ۔ (تذکرۃ العابدین ص ۱۹۱ و ۱۹۲)

مسجد چھتہ :

تاریخ دیوبند میں مسجد چھتہ کے زیرِ عنوان تحریر ہے :

''دیوبند کے مشہور بزرگ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کا قیام بھی اسی مسند کے حجرہ میں رہتا تھا ۔ دارالعلوم کے قیام کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ جو دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے اس مسجد میں قیام پذیر رہے غرض کہ یہ مسجد دیوبند کے اکثر اہل اللہ کی جائے قیام اور سرچشمۂ فیوض رہ چکی ہے ۔ مسجد کے صحن میں انار کا وہ تاریخی درخت بھی اب تک موجود ہے جس کے سایہ میں دارالعلوم کا مبارک آغاز عمل میں آیا تھا ۔

۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں مسجد کے قدیم حجرے جو شمالی جانب تھے ان کی جگہ اب نئی عمارت بن گئی

ہے''۔(تاریخ دیو بند ص ۲۹۰۔۲۹۱۔تاریخ دارالعلوم ج ۱ ص ۱۴۸)

ریاضت :

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ریاضت کرتے تھے۔صاحب تذکرہ نے لکھا ہے کہ آپ نے حضرت راج خان صاحب کے یہاں سے واپس آ کر چلہ کشی فرمائی پھر ایک سال بعد دوسری دفعہ چلہ کیا اس دفعہ چودھری صابر بخش کی مسجد میں چلہ کشی فرمائی۔پھر آپ نے چھتہ کی مسجد میں ایک توجہ خانہ بنوایا اور اس میں حلقہ کرنا شروع کیا (تذکرہ ص ۶۸ ملخصاً)

مسجد چھتہ میں حضرت حاجی محمد عابد صاحب قدس سرہٗ کا قیام ساٹھ برس تک رہا،تیس سال تک آپ کی تکبیرِ اُولیٰ فوت نہیں ہوئی۔نمازِ تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ساٹھ سال تک قضاء کی نوبت نہیں آئی۔(تاریخ دارالعلوم ص ۴۷۸)

یہی مسجد حضرت حاجی محمد عابد صاحب کی عبادت گاہ تھی اور وہیں آپ کا خلوت خانہ تھا یہ کمرہ اب تک ہے۔جس زمانہ میں ۱۵ رصفر ۹۶ھ/ ۱۶ رفروری ۷۶ء کو میں نے اس مضمون کا مسودہ لکھا تھا معلوم ہوا تھا کہ ان دنوں اس میں مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی قیام رکھتے تھے۔

تاریخ دیو بند میں ہے کہ :

''آج تک بھی بفضلہٖ تعالیٰ وہ انار کا درخت موجود ہے جس کے سایہ میں مدرسہ شروع ہوا،اسی مسجد کے حجروں میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (قدس اللہ اسرارہم) کا قیام بھی رہا ہے۔اس کے شمالی حجروں کی جگہ ۱۳۹۰ھ میں اب نئی عمارت بن گئی ہے''۔ (تاریخ دیو بند ص ۲۹۱)

تاریخ دارالعلوم میں آپ کے بارے میں تحریر ہے :

''حاجی صاحب دیو بند میں ایک ذی وجاہت صاحب اثر عابد زاہد ہستی تھے آپ کی بزرگی کا سکہ دیو بند کے ہر خورد وکلاں مرد وعورت بچے اور بوڑھے کے دل پر تھا۔ان کے روحانی فیض نے دیو بند اور اطراف وجوانب بلکہ دوسرے صوبوں کے لوگوں کے دلوں کو بھی مسخر کر رکھا تھا۔عابد وزاہد ہونے کے ساتھ بہت بڑے عامل بھی تھے۔آپ کے تعویذوں کا روحانی فیض بیماروں پر تریاق کا کام کرتا تھا۔آپ کی صورت کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔پابندیٔ وضع،استقلالِ طبع،اُولوالعزمی،خوش تدبیری آپ کی مشہور ہے باوجودیکہ دنیا کو ترک کر دیا ہے مگر کوئی آپ سے مشورہ لیتا ہے تو اس میں ایسی اچھی رائے ہوتی ہے جیسے بڑے کسی ہوشیار دنیا دار کی۔''

نیز لکھا ہے :

''اہلِ دیوبند کو آپ سے کمال درجے عقیدت ہے۔ آپ کی ذات فیض آیات سے خلائق کو بہت طرح کا نفع حاصل ہے۔ غیر مذہب والے بھی آپ کے تعویذوں کے معتقد ہیں۔ گھر بار زمین باغ جس قدر آپ کی مِلک میں تھا سب کا سب راہِ خدا میں دے کر محض خدا پر تکیہ کیا ہوا ہے''۔

(تاریخ دارالعلوم ص ۲۲۳ ج ۲ و تاریخ دیوبند ص ۲۷۹، ۲۸۰)

سوانح قاسمی میں لکھا ہے کہ :

''حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ قوتِ فیصلہ اور اصابت رائے میں نسبتِ مرتضوی رکھتے تھے ایک مرتبہ آپ کو بہت رنجیدہ دیکھا گیا لوگوں کے اصرار پر بتایا کہ ۲۸ سال کے بعد آج صبح کی تکبیر تحریمہ فوت ہوگئی۔ (تاریخ دیوبند ص ۱۱۰)

(جاری ہے)

آیئے قرآن سیکھیں — برائے خواتین وحضرات

فہمِ قرآن کلاس

مدت 3 ماہ — (روزانہ ایک گھنٹہ) — بلا معاوضہ

آغاز 12 اپریل 2004ء

مدرس : مولانا احمد یار صاحب لاہوری — تجوید : قاری محمد سعید اسعد صاحب

کلاس 1 : کامسٹ کالج 114-A نیو مسلم ٹاؤن بینک سٹاپ مین وحدت روڈ لاہور 7:00 تا 8:00 شام

کلاس 2 : نیازی ہاؤس گلی نمبر 2 لنک جناح سٹریٹ سعید پارک شاہدرہ لاہور 5:45 تا 6:45 صبح

کلاس 3 : رائل سائنس اکیڈمی نزد عائشہ ڈگری کالج ٹمبر مارکیٹ لاہور 7:45 تا 8:45 شام

کلاس 4 : شفیع ریز وکیمیکل 22 کلومیٹر فیروز پور روڈ لاہور 4:30 تا 5:30 شام

رابطہ : عالمی فہم قرآن (ٹرسٹ) دارالعلوم لاہور

فون نمبر: 7913549 موبائل 0300-4258798

سلسلہ نمبر۶ قسط : ۵

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب ویکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٗ

﴿ نظر ثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

دیوبند ، دارالعلوم اور ملکی حالات

فسقی دیارك غير مفسدها
صوب الربيع و ديمة تهمی

دارالعلوم جس وقت قائم ہوا اُس زمانے میں اسلامی علوم کی وہ شمع جو چھ سو سال سے ہندوستان میں روشن تھی گل ہو چکی تھی، انگریزوں نے اسلامی علوم وفنون اور مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کے تباہ وبرباد کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی۔ ۱۸۵۷ء تک دہلی کو اسلامی علوم وفنون کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی ملک کے گوشے گوشے سے تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھانے دہلی پہنچتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں جب دہلی اُجڑی تو پھر اس کی علمی مرکزیت بھی ختم ہو گئی اور علم کا کارواں دہلی سے دیوبند منتقل ہو گیا۔

انگریزی عمل داری تک دہلی آگرہ لاہور ملتان گجرات جونپور لکھنؤ خیرآباد پٹنہ مدراس اور بنگال وغیرہ کے بہت سے مقامات علم وفن کا مرکز تھے۔ ان مدارس کے اخراجات کے لیے ہندوستان کے سلاطین اور امرائے سلطنت نے

چھ سو سال کی طویل مدت میں جو بڑے بڑے اوقاف مقرر کیے تھے، ۱۸۳۸ء/۱۲۵۴ھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ان تمام اوقاف کو ضبط کرلیا اس زمانے میں مسلمانوں کی تعلیم کا سارا دارومدار اِن ہی اوقاف کی آمدنی پر تھا۔

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے جو بنگال میں ایک بڑے سول عہدے پر فائز تھا، برطانوی حکومت سے مسلمانوں کی عام ناراضگی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :

''صوبہ بنگال پر جب ہم نے قبضہ کیا تو اُس وقت کے قابل ترین افسر مال جیمز گرانٹ کا بیان ہے کہ اس وقت صوبہ کی آمدنی کا تخمیناً ایک چوتھائی حصہ جو معافیات کا تھا حکومت کے ہاتھ میں نہیں تھا ۱۷۷۲ء/۱۱۸۶ھ میں وارن ہیسٹنگز نے اس علاقے کی واپسی کی مہم شروع کی مگر ناکام رہی۔ ۱۷۹۳ء/۱۲۰۸ھ میں لارڈ کارنوالس نے پھر اس معاملے کو اُٹھایا مگر اس وقت کی طاقتور حکومت بھی اس پر قابو نہ پاسکی۔ ۲۵ برس کے بعد ۱۸۱۵ء/۱۲۳۱ھ میں حکومت نے پھر اس معاملہ کو زور سے اُٹھایا مگر عمل کی جرأت نہ ہوسکی آخر ۱۸۳۸ء/۱۲۵۴ھ میں آٹھ لاکھ پونڈ کے خرچ سے مقدمات چلا کر ان معافیات اور اوقاف تعلیم پر حکومت نے قبضہ کرلیا۔ صرف ان معافیات سے حکومت کی آمدنی میں تین لاکھ پونڈ کا اضافہ ہوگیا''۔

اس کارروائی کا مسلمانوں کی تعلیمی زندگی پر کیا اثر پڑا، اس کی نسبت ہنٹر نے لکھا ہے کہ :

''سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہوگئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دارومدار اِنہی معافیات پر تھا، تہ و بالا ہوگیا مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی مسلسل لُوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے''۔

آگے چل کر ہنٹر لکھتا ہے :

''مسلمانوں کے اِس الزام کا جواب نہیں دیا جاسکتا کہ ہم نے ان کے تعلیمی اوقاف کا ناجائز استعمال کیا، اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائیداد کو جو اِس مصرف کے لیے ہمارے قبضے میں دی گئی تھی ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں آج بھی اُن کے پاس اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے''۔ (تاریخ دیوبند ص ۳۰۵ ص ۳۰۶۔ از ترجمہ ہنٹر کی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۲۵۵ تا ۲۵۸)

ہنٹر کے اس بیان سے اندازہ کیجیے کہ اسلامی دورِ حکومت میں جب صرف ایک ایسے دور افتادہ صوبے میں جس کو اس زمانے میں تعلیمی لحاظ سے کوئی علمی فوقیت یا مرکزیت حاصل نہ تھی تعلیم کے لیے ۴۵ لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے اوقاف

موجود تھے تو ہندوستان کے دوسرے صوبوں اور بالخصوص ان مقامات میں جن کو تعلیمی مرکزیت حاصل تھی کس قدر اوقاف ہوں گے۔(تاریخ دیو بندص ۳۰۷)

برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر برک نے اپنی اس یادداشت میں جو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کی گئی تھی لکھا ہے :

''ان مقامات میں جہاں علم کا چرچا تھا اور جہاں دور دور سے طالب علم پڑھنے کے لیے آتے تھے آج وہاں علم کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا ہے''۔(تاریخ دیو بندص ۳۰۷ از مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ص ۲۹۲ ج ۱، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی)

یہ حالات چل رہے تھے اِن حالات میں ''دارالعلوم'' کا دیو بند میں اجراء ہوا۔

قیام دارالعلوم

کفرناچا جس کے آگے بارہا تگنی کا ناچ جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند

اس میں قاسم ہوں کہ انورشہ کہ محمودالحسن سبکے دل تھے دردمند اور سبکی فطرت ارجمند

گرمیِ ہنگامہ ہے تیری حسین احمد سے آج جن سے ہے پرچم روایاتِ سلف کا سربلند

(مولانا ظفرعلی خان مرحوم)

''اسی دوران آپ کو ایک شب خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی صبح کو مولوی فضل الرحمٰن صاحب وغیرہ کو بلایا اور فرمایا کہ علم دین اُٹھا جاتا ہے،کوئی تدبیر کرو کہ علمِ دین قائم رہے جب پرانے عالم نہ رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا بھی نہ رہے گا جب سے دہلی کا مدرسہ گم ہوا ہے کوئی علمِ دین نہیں پڑھتا۔اس وقت سب صاحبوں نے عرض کیا کہ جو تدبیر آپ فرمائیں وہ ہم کو منظور ہے۔آپ نے فرمایا کہ چندہ کر کے مدرسہ قائم کرو اور کاغذ لے کر اپنا چندہ لکھ دیا اور روپے بھی آگے دھر دیئے اور فرمایا کہ انشاء اللہ ہر سال یہ چندہ دیتا رہوں گا چنانچہ اسی وقت سب صاحبان موجودہ نے بھی چندہ لکھ دیا۔پھر حاجی صاحب مسجد سے باہر کو نکلے چونکہ حاجی صاحب کبھی کہیں نہیں جاتے تھے جس کے گھر پر گئے اُس نے اپنا فخر سمجھا اور چندہ لکھ دیا،اسی طرح شام تک قریب چارسو روپے کے چندہ ہو گیا۔اگلے روز حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے واسطے دیو بند آیئے فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے،مولوی محمد

قاسم صاحب نے جواب لکھا کہ میں بہت خوش ہوا خدا بہتر کرے مولوی ملامحمود صاحب [۱] کو پندرہ روپے ماہوار تنخواہ مقرر کر کے بھیجتا ہوں وہ پڑھادیں گے اور میں مدرسہ مذکورہ میں ساعی رہوں گا۔(تذکرۃ العابدین ص۶۹ ج ۱)

منشی فضل حق صاحب نے سوانح مخطوطہ میں لکھا ہے کہ :

''حاجی محمد عابد صاحبؒ ایک دن بوقت اشراق سفید رُومال کی جھولی بنااور اس میں تین روپے اپنے پاس سے ڈال چھتہ کی مسجد سے تنِ تنہا مولوی مہتاب علی صاحب کے پاس تشریف لائے، مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپے عنایت کیےاور دعاء کی بارہ روپے مولوی فضل الرحمٰن صاحب نے اور چھ روپے اس مسکین (منشی فضل حق مصنف سوانح مخطوطہ) نے دیے وہاں سے اُٹھ کر مولوی ذوالفقار علی سلمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے مولوی صاحب ماشاءاللہ علم دوست ہیں فوراً بارہ روپے دیئے اور حسن اتفاق سے اُس وقت سیّد ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت کیے وہاں سے اُٹھ کر یہ درویش حضرت (حاجی محمد عابد صاحب) محلّہ ابوالبرکات پہنچے دوسوروپے جمع ہوگئے اور شام تک تین سوروپے پھر تو رفتہ رفتہ خوب چرچہ ہوااور جو پھل پھول اس کو لگے وہ ظاہر ہیں۔ یہ قصہ بروز جمعہ ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء میں ہوا۔(اور مدرسہ کا آغاز ۱۵رمحرم ۳۰رمئی ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ ہوا)۔

یہ قومی چندے کی پہلی تحریک تھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے جو قیام دارالعلوم کی تحریک میں شروع سے شریک تھے اس واقعہ کو ذیل کے شعر میں بیان کیا ہے ۔

مردِ حق عابد صداقت کیش اوّلاً گستراند رُوْمالش

تذکرۃ العابدین میں تحریر ہے :

''چنانچہ ملامحمود دیوبند آئے اور مسجد چھتہ میں عربی پڑھانا شروع کیا۔ جب یہ خبر عام ہوئی کہ علم عربی پڑھانے کو مدرسہ قائم ہوگیا ہے اور تعلیم شروع ہوگئی تو طالبِ علم جوق جوق آنے لگے یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بباعث کثرت طلبہ مسجد میں گنجائش نہ رہی تب ایک مکان کرایہ پر لیا گیا مگر اس قدر کثرتِ طلبہ ہوئی کہ تنہا ملامحمود صاحب تعلیم نہ دے سکے چنانچہ اس عرصہ میں چندہ بھی زیادہ آنے لگا۔

---

[۱] حضرت ملامحمود رحمہ اللہ دیوبند کے باشندے تھے اور میرٹھ میں پڑھاتے تھے تاریخ دارالعلوم حاشیہ [۲] ص۱۵۵ ج۱)

اس وقت حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب ومولوی فضل الرحمٰن صاحب ومولوی ذوالفقارعلی صاحب ومولوی مہتاب علی صاحب ومنشی فضل حق صاحب وغیرہ کواہل شورٰی قرار دیا کہ کاروبارِ مدرسہ حسب رائے اہل شورٰی ہوا کرے۔اور خود بھی اہلِ شورٰی وسر پرست ومہتمم مدرسہ بلاتنخواہ رہے۔جب چندہ کی زیادہ آمد ہونے لگی اہلِ شورٰی سے مشورہ کیا گیا کہ دومدرس چھوٹی کتابیں پڑھانے والے اور مقرر کیے جاویں اور مولوی محمد یعقوب صاحب کو بریلی سے بلاکر مدرس اول کیا جاوے اور ایک مدرس فارسی اور ایک قرآن شریف کا مقرر کیا چونکہ یہ کام متعلق دین محمدی کے تھا اس لیے یہ سب مدرس اہلِ فقر رکھے گئے تا کہ کاروبار مدرسہ ہذا میں یہ لوگ دل سے توجہ کریں''۔(تذکرۃ العابدین ص ۶۹۔۷۰)

''پہلے سال میں ۵۸ بیرونی طلبہ میں صرف ۶ طالب علم ایسے تھے جوخود اپنے اخراجات کا تکفل کرسکتے تھے بقیہ ۵۲ طلبہ کے خوردونوش اور قیام وغیرہ کا تمام تر بار اہل دیوبند نے بخندہ پیشانی برداشت کیا''۔(تاریخ دیوبند ص ۳۲۵)۔

جس مکان کے کرایہ پر لینے کا ذکر ہوا ہے وہ مسجد قاضی کے نزدیک لیا گیا تھا یہ حضرت مولانا میاں سیّد اصغر حسین صاحب قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ لکھتے ہیں :

''مسلمانوں کی معافیات ۱۸۲۸ء میں ضبط کرلی گئیں جو مسلمان نوابوں نے مسلمانوں کی تعلیم کیلیے دی تھیں۔وقف ہُگلی کا بیجا استعمال کیا گیا۔یہ وقف ۱۸۰۶ء میں کیا گیا تھا لیکن گورنمنٹ نے واقف کی مرضی کے خلاف انگریزی کالج بنادیا۔اور مسلمانوں کو نہ صرف اسکے انتظام سے بلکہ اس کی تعلیم سے بھی محروم کردیا۔بقول ہنٹر اسکے تین سوطلبہ میں صرف تین مسلمان تھے۔ ۷/مارچ ۱۸۳۵ء میں لارڈولیم بینٹنگ نے ایک حکم جاری کیا کہ تعلیم عامہ اور وظائف کا کلی روپیہ صرف انگریزی تعلیم پرصرف کیا جائے جسکے یہ معنیٰ تھے کہ کلکتہ کی امداد کے طور پر مسلمانوں کو جو امداد ملتی تھی وہ بھی بند ہوگئی''۔

(ص ۱۳۴ تذکرہٗ شیخ الہندؒ مولفہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ناشر مدنی دارالتالیف بجنور، یو۔پی)

ایک الہامی تجویز :

ان حالات میں حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمومی چندہ کی تجویز قیامِ مدارس اور احیاء دین کے لیے الہامی تھی وہ نہایت ہی زیادہ موثر ثابت ہوئی۔ جگہ جگہ اہلِ اسلام نے اسی طرز پر مدارس قائم کیے۔ مدارس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو''تاریخ دارالعلوم ص ۱۵۰ و ص ۱۶۴ و ص ۴۶۴ تا ۴۷۶ ج ۱ ''۔

تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے :

''دارالعلوم دیوبند کے لیے عوامی چندے کی تحریک کا آغاز آپ ہی نے فرمایا تھا۔ حاجی فضل حقؒ نے حضرت نانوتویؒ کی سوانح مخطوطہ میں لکھا ہے ایک دن بوقتِ اشراق (حضرت حاجی سیّد محمد عابدؒ) سفید رُومال کی جھولی بنا اور اس میں تین روپے اپنے پاس سے ڈال چھتہ کی مسجد سے تنِ تنہا مولوی مہتاب علی مرحوم کے پاس تشریف لائے۔ مولوی صاحب نے کمالِ کشادہ پیشانی سے چھ روپے عنایت کیے اور دُعاء دی اور بارہ روپے مولوی فضل الرحمٰن صاحب نے اور چھ روپے اس مسکین (سوانح مخطوطہ کے مصنف حاجی فضل حق صاحبؒ ا) نے دیے، وہاں سے اُٹھ مولوی ذوالفقار علی سلمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے مولوی صاحب ماشاء اللہ علم دوست ہیں فوراً بارہ روپے دیے اور حسن اتفاق سے اُس وقت سیّد ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت کیے وہاں سے اُٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلّہ ابوالبرکات پہنچے دوسو روپے جمع ہو گئے اور شام تک تین سو روپے پھر تو رفتہ رفتہ چرچا ہوا۔ اور جو پھل پھول اس کو لگے وہ ظاہر ہیں یہ قصہ بروز جمعہ دوم ماہ ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ میں ہوا''۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۵۰ ج ۱ نیز ص ۲۲۴۔ ۲۲۵ ج ۲)

قومی چندے کے ذریعہ مدرسہ قائم کرنے کی تجویز نہ صرف دارالعلوم کے لیے بلکہ عام قومی اداروں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی، مدرسے کے اخراجات کی کفالت کے لیے ان لوگوں کے تھوڑے تھوڑے چندے کو پسند کیا گیا جو ناموری نہ چاہتے ہوں۔ اس قسم کے عام چندوں سے مدرسے کا چلانا اس وقت بالکل ایک نئی بات تھی دارالعلوم کی اس مثال نے ملک کے لیے مشعل راہ کا کام دیا۔ اجتماعی اور قومی کاموں کے لیے سرمایہ حاصل کرنے کا یہ پہلا تخیل تھا جو عملاً بہت کامیاب ثابت ہوا، اس نسخۂ کیمیا کا ہاتھ آنا تھا کہ جابجا اس کی تقلید میں مدارس جاری ہونے شروع ہو گئے چنانچہ قیامِ دارالعلوم کے چھ سات ماہ بعد سہارنپور میں مظاہر العلوم اسی اصول پر قائم ہوا اور پھر رفتہ رفتہ جگہ جگہ مدارس جاری ہو گئے۔

عوامی چندہ کی یہ کامیاب ترکیب ایسی عمدہ اور سہل تھی کہ ہر جگہ اس پر عمل کیا جا سکتا تھا چنانچہ آگے چل کر یہ طریقہ اس قدر کامیاب اور مقبول ثابت ہوا کہ چند ہی سالوں میں مدارس عربیہ سے متجاوز ہوکر اسکولوں ،کالجوں، انجمنوں اور دوسرے اداروں تک عام ہو گیا چنانچہ دارالعلوم کے قیام کے آٹھ نو سال کے بعد ۱۸۷۵ء/ ۱۲۹۱ھ میں علی گڑھ کالج (مسلم یونیورسٹی) بھی اسی طریقہ پر قائم ہوا اور پھر جوں جوں اس نظریہ کا تجربہ عام ہوتا گیا لوگوں کی ہمتیں بڑھتی گئیں اور آج بے شمار قومی اداروں کی بنیاد اسی طریقے پر قائم ہے۔

دارالعلوم سے پہلے اجتماعی طریق پر مدارس وانجمن قائم کرنے، چندہ جمع کرنے، سالانہ روداد شائع کرنے اور عوام کو بصورتِ جلسہ جمع کر کے عملی نتائج دکھلانے کے طریقے سے لوگ واقف نہ تھے، دارالعلوم نے یہ مثالیں پیش کر کے ملک اور قوم کے لیے ایک نئی زندگی کا آغاز کردیا۔(تاریخ دیوبند از ص ۳۳۱ تا ص ۳۳۴)

اسی سال دہلی، میرٹھ، خورجہ، بلند شہر اور سہارنپور وغیرہ میں مدارس جاری ہوئے جو اِسی بنیاد پر تھے اور دوسری جگہ مثل علی گڑھ وغیرہ اِس کارِ خیر کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔(تاریخ دارالعلوم ص ۱۶۴ ج ۱)

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ لکھتے ہیں :

۱۲۹۶ھ/۱۸۷۴ء میں مدرسہ شاہی مراد آباد میں ۱۳۰۳ھ میں جامع مسجد امروہہ ضلع مراد آباد میں اسی طرز پر قائم ہوئے۔(تذکرۂ شیخ الہندؒ ص ۱۳۷)

اس واقعہ میں جن حضرات کے نام آئے ہیں ان میں سے بعض کے حالات تاریخ دیوبند کے حاشیہ پر درج ہیں وہ یہ ہیں :

مولانا مہتاب علیؒ (وفات ۱۲۹۳ھ) مولانا ذوالفقار علیؒ کے بڑے بھائی تھے (حضرت شیخ الہندؒ کے تایا) تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں دیوبند کے خاص استادوں میں تھے۔دیوبند کے رئیس شیخ کرامت حسین کے دیوان خانے میں جو مدرسہ قائم تھا اس میں عربی پڑھاتے تھے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عربی تعلیم کا آغاز اسی مدرسہ سے ہوا تھا۔دارالعلوم قائم کرنے کے لیے پہلا چندہ حاجی محمد عابد صاحب کا تھا اور دوسرا چندہ انہی مولانا مہتاب علی نے دیا تھا قیام دارالعلوم کے بعد اس کی مجلس شوریٰ کے رکن قرار پائے، دارالعلوم کے سالانہ امتحانات میں انہیں ممتحن بنایا جاتا تھا۔(بحوالہ رُودادہائے دارالعلوم و سوانح قاسمی)

نیز تحریر ہے کہ :

''دارالعلوم کی جانب سے سب سے پہلے چندے کی جو فہرست شائع ہوئی ہے اس میں مولانا ذوالفقار علیؒ (والد ماجد حضرت شیخ الہندؒ) کے چندے کی تعداد ۲۴ روپے درج ہے''۔(بحوالہ اشتہار مدرسہ عربی دیوبند مجریہ ۱۹ محرم ۱۲۸۳ھ)

نیز تحریر ہے کہ :

''سیّد ذوالفقار علی پنجاب میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے ان کی شاندار حویلی کے ایک حصہ میں آج کل اسلامیہ ہائر سیکنڈری اسکول جاری ہے ان کے فرزند مولوی ممتاز علی نامور عالم گزرے ہیں جن کا لاہور میں تہذیب نسواں کے نام سے خواتین کا ایک ماہانہ رسالہ نکالتے تھے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ان کی ایک اہم کتاب ''البیان فی مقاصد القرآن'' ہے اس میں قرآنی مضامین کی تبویب چار جلدوں میں کی گئی ہے۔سید امتیاز علی تاج انہی مولوی سیّد ممتاز علی کے فرزند تھے''۔

(تاریخ دیوبند از ص ۳۳۱ تا ۳۳۳ طبع دوم ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء ناشر علمی مرکز دیوبند)

''حاجی سیّد فضل حق دیوبندیؒ کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے شرفِ بیعت حاصل تھا یہ شروع سے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔حاجی محمد عابد صاحبؒ کے زمانۂ اہتمام میں سربراہ کار کی حیثیت سے کئی سال تک دارالعلوم کی خدمات انجام دیں۔۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں حاجی محمد عابد صاحبؒ کے مستعفی ہوجانے پر مہتمم مقرر ہوئے اور تقریباً ایک سال تک اس خدمت کو انجام دے کر مستعفی ہوگئے۔حاجی فضل حق صاحب نے حضرت نانوتویؒ کی ایک سوانح حیات لکھی تھی جو ہنوز طبع نہیں ہوئی۔سوانح قاسمی مولفہ مولانا مناظر احسن گیلانی میں سوانح مخطوطہ کے نام سے جابجا اس کے اقتباسات دیے گئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہایت جامع اور مکمل سوانح حیات ہوگی''۔(ماخوذ از تاریخ دارالعلوم ص ۲۲۶۔۲۲۷ ج ۲)

تاریخ دارالعلوم اور تاریخ دیوبند کے مصنف سیّد محبوب صاحب رضوی رحمہ اللہ کا وطن دیوبند ہے پیدائش ۱۷/ شعبان ۱۳۲۹ھ/۱۳/اگست ۱۹۱۱ء کو اور وفات غالبًا ۱۴۰۱ھ کو دیوبند میں ہوئی۔تاریخ سے بہت دلچسپی تھی اور تحقیق کا مادہ بہت تھا۔۱۹۳۳ء سے ان کے تحقیقی مضامین شائع ہونا شروع ہوئے۔۱۹۳۶ء میں دارالعلوم کی لائبریری کی ترتیب و تنظیم پر مامور ہوئے پھر عرصہ دراز تک بلکہ تاحیات ریکارڈ کی حفاظت وغیرہ پر مہتمم صاحب کے قریب کمرے میں مامور رہے۔اسی لیے قدیم رُوداروں اور اشتہارات اور دوسرے ریکارڈ سے قیمتی مواد حاصل کر کے انہوں نے تاریخ دارالعلوم دو جلدوں میں مرتب کی۔اور خاندان ساداتِ دیوبند کا شجرہ بنام تذکرہ سادات رضویہ تحریر فرمایا۔ان کی یہ سب کتابیں باحوالہ ہیں بڑی

عرق ریزی سے لکھی گئی ہیں سب مقبول و معروف ہیں۔ وہ طبعًا ایسے تھے کہ بھلائی میں سب کے ساتھ اور برائی میں سب سے الگ، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (ان کی کتاب تاریخ دیوبند ایک ہی جلد میں ہے) ملخصاً از تذکرۂ سادات رضویہ ص ۲۸و۲۹ مع اضافہ بعض کلمات۔ لیکن تمام تحریرات میں انہوں نے حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کا حق نہیں دیا۔ یا تو اس وجہ سے کہ وہ خود حاجی صاحبؒ کے خاندان کے تھے یا ماحول کے اندیشوں سے۔ بہر حال ہم نے جو کچھ تاریخ دارالعلوم یا تاریخ دیوبند میں مل سکا اس سے استفادہ کیا ہے۔

تاریخ دارالعلوم میں مثنوی فروغ کے اشعار در مدح حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ درج ہیں۔ مثنوی فروغ کے مصنف مولانا عبدالکریم فروغ دیوبندی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی نانا تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب دارالعلوم دیوبند کے اولین صدر مدرس تھے ان سے ہی انہوں نے پڑھ کر ۱۲۹۶ھ میں سند فراغت حاصل کی تھی۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۴۲۸و۴۲۹ ج ۲)

(جاری ہے)

☆☆☆

عمدہ اور فینسی جلد سازی کا عظیم مرکز

نفیس بک بائنڈرز

ہمارے یہاں ''ڈائی دار اور لیمینیشن والی جلد'' بنانے کا کام انتہائی معیاری طور پر کیا جاتا ہے نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی ''بکس والی جلد'' بھی خوبصورت انداز میں بنائی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں رَوٹا مشین پر ''کلر پرنٹنگ'' (ٹائٹل وغیرہ کی چھپائی) کا کام بھی دیدہ زیب اور بازار سے رعایتی نرخ پر کیا جاتا ہے۔

مناسب نرخ پر معیاری جلد سازی اور طباعت کے لیے رجوع فرمائیں

6/ 16 ٹیپ روڈ نزد مین گیٹ گھوڑا ہسپتال لاہور

پروپرائیٹر : محمد سلیم و محمد ندیم

موبائل نمبر : 0300-9464017 , 0300-4293479

فون نمبر : 042-7322408

سلسلہ نمبر۶ قسط : ٦

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہوسکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کردیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہوچکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب ویکجا محفوظ ہوجائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جنابِ حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظرِ ثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے :

حاجی سیّد محمد عابدؒ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم تھے بڑے متقی پرہیزگار اور صاحبِ اثر بزرگ تھے۔ دارالعلوم کے لیے عوامی چندہ کی فراہمی کے طریقے کے آپ ہی موجد تھے۔

اور حضرت معدنِ لُطف و کرم — متقی و حاجی بیت الحرم
ہے محمد اور عابد جن کا نام — حق نے اِن پر کی ہر اِک خوبی تمام
کی انہوں نے ہے ریاضت اِس قدر — جس سے عاجز رہتے ہیں اکثر بشر
اِس قدر طاعات حق لائے بجا — نفس اُن کا حکم میں اُن کے ہوا
ہیں بہت پاکیزہ خصلت نیک خو — رات دن رہتے ہیں محوِ ذکر ہُو
یادِ حق میں قلب ہے اُن کا گرو — مہتمم ہیں جامعِ مسجد کے وہ
مدرسے میں دل سے وہ عالی مقام — رہتے ہیں دائم شریکِ انتظام

ان کی برکت سے یہ مسجد مدرسہ ہے ترقی روز افزوں پر سدا
ہمتِ باطن کا ہے ان کے اثر جس سے دیؔنِ میں ہوئی یہ کرّوفر
اجر اُن کو اُن کی نیت کا ملے حق انہیں اِس کی جزاء خیر دے
یہ ترقی دین کی اِن سے ہوئی
ایسی ہمت کر سکے گا کیا کوئی

(تاریخ دارالعلوم ص ۴۳۶ ج ۲)

تاریخ دیوبند میں حضرت نانوتوی قدس سرہ کے شاگرد خاص حضرت ملامحمود کے بارے میں خاندانِ عثمانی کے حالات کے ذیل میں تحریر ہے کیونکہ وہ بھی عثمانی تھے اور دیوبند کے رہنے والے تھے۔

ملامحمود : (وفات ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء)

علوم حدیث وفقہ کے فاضل استاد تھے، میرٹھ کے مطبع ہاشمی میں ملازم تھے چھتہ کی مسجد میں جب اولاً دارالعلوم قائم ہوا تو اُس کی مدرسی کے لیے حضرت نانوتویؒ کی نظر انتخاب جس پر پڑی وہ یہی ملامحمود تھے۔ یہ دارالعلوم کے سب سے پہلے مدرس ہیں حضرت شیخ الہندؒ نے چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے انہی سے سب سے پہلا سبق پڑھا تھا۔ حضرت تھانویؒ کے مندرجہ ذیل اشعار سے اِن کے علم وفضل کا اندازہ ہوتا ہے۔

در حدیث و فقہ و تفسیر و اصول شہرتے کامل بدارد در فحول
زیلعی و لوذعی دریائے علم منبع خلق و تواضع کانِ علم
برزبانش ہست مضمونِ کتاب ہست تقریرش چوبارندہ سحاب

(از مثنوی زیروبم۔ تاریخ دیوبند ص ۷۶)

استاذ کا اسم گرامی ''محمد محمود'' تھا اور شاگرد کا ''محمود'' (تاریخ دیوبند ص ۳۱۹)

قیام دارالعلوم کا ذکر بزبان مولانا ذوالفقار علیؒ :

حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے والد ماجد تھے۔ آپ کے متعلق تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے کہ :

''وہ دارالعلوم کے اولین بانیوں میں سے تھے''۔ (ص ۱۲۴ ج ۱)

اور تاریخ دیوبند میں تحریر ہے :

"دارالعلوم دیوبند کے اولین بانیوں میں سے تھے، چالیس سال تک دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رُکن رہے۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں بعمر ۸۵ سال انتقال ہوا" (تاریخ دیوبند ص ۷۹)

"آپ نے دہلی کالج میں حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ (وفات ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۱ء) سے پڑھا فراغت کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ چند سال بعد محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر ہوگئے۔ عربی زبان وادب پر بڑی دسترس تھی دیوانی حماسہ کی شرح تسہیل الدراسۃ دیوان متنبّی کی شرح تسہیل البیان، سبعہ معلقہ کی شرح التعلیقات علی السبع المعلقات، قصیدۂ بانت سعاد کی شرح ارشاد اور قصیدہ بردہ کی شرح عطرالوردہ اُردو میں تحریر فرمائیں۔ مولانا نے ان شروح میں عربی کے غریب اور مشکل الفاظ اور محاورات کا ایسا سلیس وبامحاورہ ترجمہ اور ایسی دل نشین تشریح کی ہے جس کی بدولت عربی ادب کی یہ سنگلاخ کتابیں طلبہ کے لیے نہایت سہل اور آسان ہوگئی ہیں۔ معانی وبیان میں تذکرۃ البلاغت اور ریاضی میں تسہیل الحساب ان کی یادگاریں ہیں"۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۲۳ ج ۱)

تاریخ دارالعلوم میں ایک دوسری جگہ تحریر ہے :

"حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ (والد ماجد حضرت شیخ الہندؒ) اُن اکابر میں سے تھے جو دارالعلوم کی بناء وتاسیس میں شروع ہی سے شریک رہے تھے۔ دارالعلوم کے قیام کے بعد تمام عمر مجلس شوریٰ کے رُکن رہے۔ دارالعلوم کا خزانہ انہیں کی تحویل میں رہتا تھا۔ نہایت امانت ودیانت کے ساتھ انہوں نے اس خدمت کو انجام دیا۔ علم وفضل، تدین، وجاہت دنیوی اور خوش خلقی میں یگانۂ روزگار تھے۔" (تاریخ دارالعلوم ج ۱ ص ۲۱۰)

تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے :

"۱۳۰۷ھ میں عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ " **الھدیۃ السَّنِیۃ فی ذکر المدرسۃ الاسلامیۃ الدیوبندیۃ**" کے نام سے لکھا ہے جس میں بزرگانِ دارالعلوم کے اوصاف وکمالات اور سرزمین دیوبند کی خصوصیات پر بڑے لطیف اور ادیبانہ انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے"۔ (ص ۱۲۴ ج۱)

آپ نے اس رسالہ کا آغاز اس طرح کیا ہے :

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

حامدا ومثنیا و مسلما ومصلیا لما ارادﷲ تعالٰی شانہ و عزسلطانہ خیر ھٰذہ البلاد وارشاد العباد باحیاء العلوم الدینیہ والفنون الیقینیہ اذعانا وتصدیقا

وایقانا وتحقیقا الھم السیّد النسیب الجلیل والشریف الحسیب النبیل صاحب القوة القدسیة والابّھة الوھبیة الرضی التدبیرالرحیم علی الصغیر و الموقر للکبیر الفقید المثیل والعدیم النظیر وسامة وجمالا وفخامة وجلالا وصورة وسیرة وسرًّا وسریرة ورأیا وریّا وطباعاً ذکیا المسمی المخبر البھی المنظر الخیّز الشیّز (ومن لم یومن به فقد صدّق ا لخَبر الخُبر) الحیی التقی السخی النقی فخرالامثال الاماجد السیّد الاجل محمد عابد ادامه اللّٰه وابقاہ والی منتھی الأمال رقّاہ ما درّسحاب وقرء کتاب بتاسیس ھذه المدرسة التی اُسست علی التقوٰی والطریقة المثلی وان لم یساعده الزمان والمکان ولم یوافقه الحین والاوان.ذالك تقدیر العزیز العلیم والحکیم الحلیم فانه اذا اراد شیئا ھیأ اسبابه وقدر له اربابه انما امره اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون فسبحان الذی بیده ملکوت کل شئی والیه ترجعون فندب السید اھل الخیرالی اعانة ھٰذا المثوبة وتایید ھذه المشورة سنة اثنین وثما نین بعد الالف والمأ تین من ھجرة سیّدالثقلین صلے اللّٰه علیه وعلیٰ آلہٖ وسلم وعظم وکرم فاستمعوا له وانتد بوہ واجابوہ واتبعوہ فصارالمدرسة بسعیه المشکور ملجأ للعلم وذویه ومرجعا للفضل ومنتسبیه ومؤملا للدین ومنتحلیه ولا غرو فان الولد سرلابیه ذالك فضل اللّٰه یؤتیه من یشاء واللّٰه ذوالفضل العظیم.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

حمد وثنا صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے لکھ رہا ہوں جب باری تعالیٰ شانہٗ وعزسلطانہٗ نے ان شہروں کی خیر اور علوم دینیہ اور فنونِ یقینیہ کے اس طرح احیاء کا ارادہ فرمایا کہ یہ احیاء ایمان تصدیق یقین اور تحقیق کے طرز پر ہوتو اُس نے ایک سید جلیل النسب (صاحب شرف وحسب وشرافت صاحب قوتِ قدسیہ وہبی برتری والے ایسے (صاحب) کہ جن کی تدبیر پر سب راضی ہوں ۔وہ جو چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت کرنے والے جو اپنے نقش وجمال اور بڑائی اور جلال صورت وسیرت ظاہر و باطن رائے اور سیرابی ذکاوتِ طبعی میں فقید المثیل اور عدیم النظیر ہیں ۔ضمیر کے بلند منظر میں پُر رونق ،مشورہ دینے میں بہترین (اور جسے یقین نہ ہوتو آزمائش یقیناً خبر کو سچا کر دکھاتی ہے)

شرمیلے اور متقی، پاکیزہ اور سخی، جو بڑے بڑے قابل مثال حضرات کے لیے (باعث) فخر ہیں۔ سیّد اجل محمد عابد ادام اللہ وابقاہ اور خدا اُن کو آرزوؤں کی غایت تک ترقی بخشتا ہی رہے، جب تک بادل برسے اور کتاب (کتاب اللہ) پڑھی جاتی رہے) ا پر الہام فرمایا کہ اس مدرسہ کی بنیاد رکھیں۔

یہ مدرسہ جس کی بنیاد تقوے پر اور بہترین طریقہ پر رکھی گئی ہے اگرچہ (بظاہر) زمانہ اور جگہ نے مدد نہیں کی، نہ ہی وقت نے ساتھ دیا نہ دَور نے (لیکن) یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بڑے غلبہ اور علم والا ہے حکمت اور حلم والا ہے مقدرات ہوا کرتے ہیں (جو ہو کر ہی رہتے ہیں) کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کا ارادہ فرمالیں تو اُس کے اسباب مہیا فرما دیتے ہیں اور اہل کار بھی مقدر (ومعین) کر دیتے ہیں۔ **انما امره اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون** ۔(اس کا معاملہ تو ایسے ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتے تو بامر کن وہ وجود میں آجاتا ہے) پس پاک ہے وہ ذات کہ جس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ پس سیّد صاحب نے اس کارِ ثواب میں اعانت کے لیے اور اس مشورہ اور رائے میں مدد کے لیے اہلِ خیر کو بلایا۔ (اور یہ) سال ایک ہزار دوسو بیاسی ہجری سیّد ثقلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم وعظم وکرم (میں ہوا) لوگوں نے انکی بات غور سے سُنی ان کی اطاعت کی انہیں لبیک کہا۔ ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اُن کی سعی مشکور سے (یہ) مدرسہ علم اور اہلِ علم کا ملجأ (ٹھکانہ بن گیا) فضیلت اور اہل فضل کا مرجع دین اور اہل دین کا ماوٰی بن گیا۔ اس میں کوئی عجب بات نہیں ہے ۲ کیونکہ بیٹا اندر سے اپنے باپ ہی پر ہوتا ہے یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہے دیدے، وہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ (الھدایۃ السنیہ ص ۲)

پھر بہترین کلمات میں کافی طویل عبارت میں حضرت اقدس مولانا نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کا ذکر خیر فرمایا ہے کہ :

ثم قیض اللّٰہ سبحانه لترصیص الامر المعلوم واحیا ء العلوم الشیخ الاکبر الازھر الاطھر الرضی الاوضی الا لمعی الاریحی. الخ

لیکن حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ نے پہلے حضرت حاجی صاحب کا اور پھر حضرت نانوتوی کا ذکر فرمایا ہے رحمۃ اللہ علیہم۔

ا الہام کی تفصیل تذکرۃ العابدین کے حوالہ سے پہلے گزر چکی ہے۔

۲ حضرت کی تحریر **الولد سر لا بیه** میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ آپ کے خاندان نے خانقاہ سیّد ابراہیمؒ میں عرصہ تک علمی خدمات انجام دیں تھیں اور ہو سکتا ہے کہ اشارہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔ واللہ اعلم

ذکر بناء جامع مسجد دیو بند :

تعلیمی سلسلہ مسجد چھتہ میں چل رہا تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ پر دیو بند میں تعمیر جامع مسجد کا اشارہ القاء ہوا جس کا واقعہ یہ ہے :

چنانچہ سبب بناء جامع مسجد کے متعلق تاریخ دیو بند میں تحریر ہے :

''حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ نے خواب میں دیکھا کہ اس مقام پر جہاں اب جامع مسجد واقع ہے آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ کے سامنے ایک تشت رکھا ہوا ہے جو دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ داہنی جانب ایک شخص ہے جو روپیہ لا لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے انبار لگا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے حاجی صاحبؒ سے ارشاد فرمایا کہ ''یہاں مسجد بنانا شروع کردو''۔ (تاریخ دیو بند ص ۲۹۸)

صاحبِ تذکرۃ العابدین لکھتے ہیں :

''اسی زمانہ (۱۲۸۲ھ) میں یہ مشورہ قرار پایا کہ دیو بند میں جامع مسجد نہیں ہے جامع مسجد بنائی جاوے چنانچہ آپ نے متفق الرائے ہوکر بازار کے نزدیک ایک اُونچی جگہ پسند کی اور اس جگہ کھڑے ہوکر دعاء بھی مانگی کہ خداوند یہاں جامع مسجد بن جاوے مگر اِس جگہ لوگوں کے مکان تھے ہر چند تدبیریں کیں کہ یہ جگہ مل جاوے مگر کوئی تدبیر پیش نہ آئی کیونکہ جب اُن مکان والوں سے کہتے تھے کہ یہ جگہ دیدو تو وہ یہی کہتے کہ اپنے مکان ہم کو دیدو۔ اور یہ جگہ لے لو یہ سن کر خاموش ہوجاتے تھے آخر الامر ایک روز حاجی صاحب نے بھی اُن سے کہا۔ انھوں نے وہی جواب دیا اُس وقت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنا مکان اور نشست گاہ تم کو دی تم جگہ مسجد کو دیدو انہوں نے فوراً دیدی۔ حاجی صاحب نے اپنا مکان و بیٹھک اُن کو دے کر ارادہ حج بیت اللہ شریف ۱۲۸۴ء کیا اور جو کچھ جائیداد جدی تھی اُس کو عزیزوں قریبوں میں تقسیم کردیا اور مولوی رفیع الدین صاحب کو مہتمم مدرسہ مقرر کردیا اور آپ برائے حج بیت اللہ روانہ ہوئے۔ اُس وقت شہر والوں کو اس قدر رنج تھا کہ تحریر نہیں ہوسکتا ،شہر کے آدمی بہت دور دور تک ہمراہ رکاب گئے اور بعض کئی کئی منزل تک گئے اِس مرتبہ آپ کا ایسا چلنا ہوا کہ وقت روانگی سے پہلے کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب آپ دیو بند سے چلے تو آپ کے پاس کچھ نہ تھا فقط توکلاً علی اللہ روانہ ہوئے۔ اور کئی آدمی آپ کے ہمراہ گئے تھے مگر خدا نے وہ سفر اس طرح پورا کیا کہ کسی کو معلوم نہ

ہوا کہ کہاں سے آتا ہے۔ سبحان اللہ رفتہ رفتہ آپ مکہ معظّمہ پہنچے اور حج کیا بعدہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں قریب ایک سال کے رہے'' (تذکرۃ العارفین ص۴۳)

آپ کے اس سفرِ حج کے متعلق تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے :

''دوسرا واقعہ جسے رُوداد میں ''امرِ عظیم اور حادثہ فخیم'' سے تعبیر کیا گیا ہے یہ تھا کہ دفعۃً حاجی محمد عابد صاحب نے سفرِ حج کا ارادہ فرمایا۔ رُوداد میں مذکور ہے کہ ''یہ ایسا زلزلہ تھا کہ اگر بنیاد مدرسہ بیخ برکندہ ہو جاتی تو عجب نہ تھا کیونکہ باشندگانِ دیوبند میں بظاہر کوئی ایسا نظر نہ آتا تھا کہ اس کام کا متکفل ہوتا لیکن

خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را

بعض ارکان کو جنہیں لیاقت کامل اور اخلاص نیت حاصل ہے یہ القا ہوا کہ اس کام کے واسطے مولوی رفیع الدین نہایت مناسب ہیں چنانچہ ابتداء شعبان ۱۲۸۴ھ سے یہ کام اُن کے سپرد ہوا اور انتظام مدرسہ کی طرف سے بالکل اطمینان ہوگیا'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص۱۶۲ ج ۱)

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ آپ سفرِ حج کے بعد مدینہ شریف میں قیام پذیر رہے صاحب تذکرۃ العابدین لکھتے ہیں :

''اسی دوران ایک روز آپ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ حاجی امداد اللہ سے سلسلہ ملاؤ اور ہندوستان جاؤ جب آپ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کو چلے تو راستہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ [۳] کی وفات ہوگئی ان کو وہیں دفن کر کے مکہ معظّمہ پہنچے، حاجی امداد اللہ صاحب سے ملے اور ان سے استفادہ اُٹھایا چند روز مکہ شریف میں رہے۔ حاجی امداد اللہ صاحب نے بھی اپنے یہاں کی خلافت عطا فرمائی اور فرمایا کہ تمہارا ہندوستان کو جانا مناسب ہے کیونکہ تم سے وہاں کے لوگوں کو بہت نفع ہوگا، ہندوستان خالی مت کرو اور جامع مسجد بھی بغیر مدد تمہاری نہیں بن سکتی اور یہ بھی فرمادیا کہ شادی ضرور کرلینا ۔ چنانچہ حاجی صاحب بموجب ارشاد ہندوستان واپس آئے''۔ (تذکرۃ العابدین ص۲۷ ج ۱)

سیّد الطائفہ سے آپ کا سلسلۂ بیعت واجازت چاروں طریقوں میں ملفوظات انوری میں نقشہ کی شکل میں دیا گیا ہے جو عنقریب آئے گا۔ ملفوظات انوری حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حاجی سیّد محمد انورؒ کے حالات پر مشتمل کتاب ہے۔ ان کا تھوڑا سا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت حاجی سیّد محمد انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت

---

[۳] یہ بھی صاحب کشف وکرامت خاتون تھیں دیوبند میں معروف تھیں۔ حامد میاں

معروف بزرگ تھے آپ کا ایک واقعہ اشرف السوانح میں بھی تحریر ہے کہ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کی علالت کے دوران ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں :

''حضرت حاجی انور صاحب دیوبندی خلیفۂ حضرت حاجی سیّد محمد عابد صاحبؒ دیوبندی بھی بڑے صاحبِ نسبت بزرگ تھے بلکہ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اپنے شیخ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ حج سے واپس آنے کے بعد اُن پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی جس سے لوگوں کو گمان ہوا کہ جنون ہو گیا ہے اپنی چیزیں لوگوں کو مفت دے ڈالتے، کھانے بکثرت پکوا کر تقسیم عام کراتے۔ اور ہر وقت ایک سکر کی سی کیفیت غالب رہتی۔ اُس زمانہ میں حضرت والا اتفاق سے دیوبند تشریف لائے تو عیادت کے لیے پہنچے، حاجی صاحب نے حضرت والا سے خلوت میں فرمایا کہ آپ سے ایک بات کہتا ہوں جو میں نے اب تک کسی سے ظاہر نہیں کی۔ لیکن اب آپ اس کو میری زندگی میں کسی پر ظاہر نہ کریں۔ وہ بات یہ ہے کہ میں نے حرم شریف میں بعض انبیاء علیہم السلام کی بیداری میں زیارت کی ہے جو میری حالت ہے یہ انہیں حضرات کی نظر کا اثر ہے اھ۔ حضرت والا سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا تنہائی میں کوئی خاص بات فرمائی ہے حضرت والا نے سچی بات فرمادی کہ ہاں ایک خاص بات تو فرمائی ہے لیکن مجھے ممانعت فرمادی ہے کہ میری زندگی میں کسی پر ظاہر نہ کرنا اس لیے میں اس کو ظاہر نہیں کرسکتا۔ حضرت والا نے حسب وصیت حاجی صاحبؒ کی زندگی میں کسی پر وہ بات ظاہر نہ فرمائی البتہ بعد وفات اخفاء کا اہتمام نہیں فرمایا''۔

اس واقعہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ حاجی صاحب نے اپنے اس خاص راز باطنی کا اہل حضرت والا کو سمجھا اور کسی پر اس کا اظہار نہ فرمایا بلکہ حضرت والا کو بھی اس کے اظہار سے ممانعت فرمادی۔ (اشرف السوانح از ص ۱۴۹ تا ص ۱۵۱ باب دوازدہم مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ دہلی)

حاجی محمد انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کے رشتہ دار بھی تھے اور ہم عمر بھی ان کا سال ولادت بھی ۱۲۵۰ھ ہے لیکن وفات ۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۹؍نومبر ۱۸۹۴ء شب دوشنبہ میں ہوئی۔ ملفوظاتِ انوری میں آپ کے کچھ حالات دیئے ہیں اس میں حضرت حاجی امداداللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا ایک گرامی نامہ بھی دیا ہے جس میں حضرتؒ نے حاجی محمد انور صاحبؒ کی طبع پرسی بھی فرمائی ہے اور دارالعلوم کے لیے دعائیہ جملے بھی تحریر فرمائے ہیں۔ یہ گرامی نامہ مکہ معظّمہ سے ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۱۲ھ کا تحریر فرمودہ ہے۔ اس میں حاجی محمد انور صاحب اور قافلہ والوں کے

بخیریت پہنچنے پر اظہار اطمینان فرمایا گیا ہے مکتوب گرامی کے ابتدائی جملوں میں تحریر ہے۔ ''اللہ تعالیٰ آپ کو حسن خاتمہ اور ترقی دارین عطا فرمائے''۔ (ملفوظات انوری ص ۳۹۔۴۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۳۱۵ھ)

اسی حج کے بعد یہ حالت ہوئی اور اسی غلبۂ کیفیات ہی میں وفات ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان بھر کے بڑے بڑے حضرات نے عربی اردو اور فارسی نظم میں تعزیت کی ہے۔ اور تاریخہائے وصال نکالی ہیں۔ جن میں امیر مینائی لکھنوی جیسے شعراء اور والیانِ ریاست ظفر شاہؒ، تاجدار دہلی کے بیٹے زبیند بخت بھی ہیں اور حضرت مولانا ظہیر احسن شوق نیموی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبہ محدث بھی، حضرت مولانا فضل الرحمٰن ممبر دارالعلوم دیوبند، مولانا اصغر علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور، مولانا محمد عبدالعلیم صاحب مبارکپوری وغیرہ ہم بھی۔

ان حضرات کے کل ناموں کی فہرست بھی طویل ہے بالترتیب نام یا مقام شاعر بغرض اختصار درج کرتا ہوں :

مولانا مفتی منشی امیر مینائی لکھنوئیؒ۔ اُستاد نواب رام پور منشی محمد افضل علی خاں بہادر۔ افضل شوکت جنگ۔ لکھنؤ احسان شاہجہانپوری۔ احسان رامپوری تلمیذ داغ دہلوی۔ منشی امداد حسین صاحب افگر شملہ۔ منشی الٰہی بخش اعجاز لکھنوی۔ منشی برج بلب سری آدر، رئیس قصبہ سہنہ ضلع گوڑ گانوہ۔ مولوی احمد حسن خاں صاحب بہادر احمد رئیس جھجر ایس۔ پی ریاست بستہ ملک متوسط نواب شمشیر بہادر افگر رئیس اعظم اجے گڑھ۔ مولوی مسعود حسین خاں صاحب احسن صاحب ہوشنگ آباد۔ منشی سید محمد نظیر آزاد رئیس سیتا پور آود۔ رضا سیتا پوری۔ امرتسر۔ بمبئ۔ آگرہ۔ ملیح آباد۔ دربھنگہ۔ غازی پور۔ بسمل ساکن دیوی ضلع بارہ بنکی مقیم بدایوں از بدایوں۔ لاجلپور ملک متوسط تائب شاہجہاں پوری بارہ بنکی لوہارو فرخ آباد سرسہ۔ سعد آباد کوہاٹ۔ بہروچ۔ کلکتہ ریاست محمود آباد دہلی۔ قنوج۔ مراد آباد۔ مولانا مولوی اصغر علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور پٹیالہ۔ سیموگہ میسور عالی جناب صاحب عالم شہزادہ مرزا زبیندہ بخت بہادر تیموری گورگانی ابن سلطان حضرت ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ نور اللہ مرقدہ۔

اس نظم کا چوتھا اور آخری شعر یہ ہے ؎

ہاتف غیبی بمن زبیندہ گفت　　　　جائے فردوس بریں انور شدہ

۱۳ھ ۱۲

راجہ محمد امیر حسن صاحب خاں بہادر۔ والی ریاست محمود آباد ضلع بارہ بنکی کوہ آبو۔ امرتسر مولانا علی سجاد صاحب سیکرٹری صاحب مدرسہ عالیہ اسلامیہ لکھنؤ۔ مچھلی شہر۔ مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی منیجر چشمۂ رحمت غازی پور۔ حضرت مولانا المولوی محمد ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی رحمہ اللہ۔ (پٹنہ) ریاست گوالیار سے مولوی میرزا محمد منیر صاحب شوق۔ عربی نظم ہے اور فارسی کی کئی رباعیاں۔ مولانا عبدالجلیل۔ مظفر پور۔ اجمیر۔ جونپور۔ سندیلہ۔ بہاولپور۔

امروہہ میرٹھ لاہور فرخ آباد۔ خدا بخش طالب از ملتان ۔ظہیر الدین حسین ٹونک دیوبند ریاست رامپور متھا ضلع سیتاپور سے منشی عابد حسین صاحب سہسوانی ۔ نظمیں اور رباعیاں جن میں بارہ مصرعوں سے بارہ تاریخ وفات نکالا ہے۔عزیز صاحب مارہروی بہت عجیب طرح تاریخ وصال کا نقشہ بھی دیا ہے۔علوی صاحب از بیاور ضلع اجمیر۔کوتانہ۔تھانہ بھون حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب ممبر دارالعلوم دیوبند۔سولہ اشعار ہیں آخری شعر یہ ہے

بسکہ با برکات بودہ در جہاں بے ثبات   گشت سال انتقالش آہ با برکات رفت

فضا رئیس بسواں سبلپور ملک متوسط ۔ گیا صاحب گنج ۔کلیم صاحب بھوپال ۔کوکب رئیس مظفر پور۔ منشی مولوی سیّد کاظم علی واسطی بریلی کالج ۔کریم صاحب ہاتھرس ضلع علی گڑھ ۔مضطر صاحب وکیل خاص ہز ہائی نس ۔نواب ٹونک از کوہ آبو۔ممتاز صاحب جونا گڑھ منعم صاحب شملہ۔

مہاراجہ سری جیت پرتاب بہادر والی ریاست تمکوہی ۔ نازاں صاحب چھاتیرا اسٹیٹ ۔ جناب منشی محمد حبیب حسن صاحب وحشی دیوبندی ۔وجاہت صاحب جھنجھانہ ۔واصف صاحب اکبرآباد۔ ہنر صاحب غازی پور۔مولانا محمد عبدالجبار صاحب پروفیسر عربک اسکول انجمن اسلامیہ جبلپور عربی کے پانچ شعر۔مولانا محمد عبدالعلیم صاحب مبارکپوری مدرس مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور عربی اشعار۔آخر میں مدوّر شکل میں **قال اللّٰہ القوی وقولہ الحق واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنة ھی المأوی** سے عجیب طرح تاریخہائے وفات نکالی ہیں۔

یہ سب نظمیں ملفوظات انوری میں ص ۶۷ سے ص ۱۲۱ تک ہیں افسوس یہ ہے کہ ان کے قریب رہنے والے ذی استعداد نہ تھے اس لیے ان کے منصب کے مطابق ملفوظات میں بہت ہی قلیل چیزیں ہیں ۔ یہ تو حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کے شجرہ کے ذیل میں حضرت حاجی محمد انور صاحبؒ کا ذکر خیر ہوا۔اب حاجی صاحب اور اکابر دیوبند کی نسبت چشتیہ کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔(جاری ہے)

﴿تین چیزیں﴾

تین چیزیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں

اول : سلام کرنا دوم : دوسروں کے لیے مجلس میں جگہ خالی کرنا

سوم : مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سلسلہ نمبر ۶ قسط : ۷

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہوسکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کردیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب ویکجا محفوظ ہوجائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظرثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

☆☆☆

حضرت حاجی صاحبؒ اور دیگر اکابر دیوبند کی نسبتِ سلوک :

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے بارے میں تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے :

''وہ طریقۂ چشتیہ کے بزرگ اور زہد وریاضت کا مجسمہ تھے۔'' (ص ۲۲۳ ج ۲)

اکابر دیوبند چاروں طریقوں میں مجاز ہیں اور چاروں ہی طریقوں میں بیعت کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ میں بھی مجاز ہیں جو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے لیکن اِن اکابر پر نسبتِ چشتیہ ہی غالب ہے۔

حضرت اقدس مولانا السیّد حسین احمد المدنی نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے مکتوب گرامی میں اِس پر روشنی ڈالی ہے تحریر فرماتے ہیں :

''ہر شخص جس راستہ سے فیضیاب ہوا ہے اُس کا گیت گاتا ہے اور اُسی کا مدح وثنا خواں ہوتا ہے اور یہ اس کا فریضہ ہے ورنہ لطف خداوندی منحصر کسی خانوادہ اور کسی طریقہ میں نہیں ہے ہاں ازمنہ مختلفہ میں اسی طرح تبدیل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ کاشتکار کبھی کسی نالی سے پانی جاری کرتا ہے اور کبھی کسی نالی سے، فیض مبداء فیاض بھی اسی طرح اُلٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ کا گیت گاتے ہیں وہ سچ فرماتے ہیں اُن کو وہاں ہی فیضِ اتم حاصل ہوا اور اس زمانہ میں توجہ اور عنایات ازلیہ اس طرف بہت زیادہ مبذول تھی مگر ہمیشہ نہ پہلے تھی اور نہ بعد کو ہوئی۔ ہمارے اسلاف کرام پر عنایاتِ الٰہیہ سلوکِ چشتیہ میں بہت زیادہ مبذول ہوئیں جو کہ ازمنہء اخیرہ میں دوسرے طرق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں و ذلك فضل اللّٰہ یؤ تیہ من یشاء ہم جملہ طرق اور ان کے مشائخ کے سب کے دریوزہ گر ہیں مگر اپنے باپ کا گیت گانا اس سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں جتنا کہ چچا تایوں کا حتی کہ اجداد کرام کا ''جس کا کھائے اُسی کا گائے'' مشہور مثل ہے۔ ہمارے اسلاف کرام قدس اللہ اسرارہم اگرچہ سلوکِ چشتیہ میں بہت زیادہ چست وچالاک اور گامزن ہیں مگر عمل کی حیثیت سے حضرت مجدد رحمہ اللہ ہی کے قدم بقدم ہیں ؎

در کفے جامے شریعت در کفے سندانِ عشق ہر ہوسنا کے نہ داند جام وسنداں باختن

یہ نعمت غیر مترقبہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی سے شروع ہوتی ہے اس کے یہ معنے نہیں کہ پہلے نہ تھی یا دوسرے اس سے خالی تھے مگر اعتبار غلبہ کا ہے۔ (مکتوب ۲۴ ص ۶۴۔ ۶۵ مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱)

حضرت اقدس مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں بہت جگہ سالکین کو تحریر فرمایا ہے یہ حال ''نسبت چشتیہ کا اثر ہے'' اور نسبت چشتیہ کا ظہور ہے'' وغیرہ

اب حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نقشہ سلاسل ملفوظات انوری سے ملاحظہ ہو۔[۱]

''حج سے واپسی پر کچھ روز بعد آپ نے مدرسہ کے حسابات کی پڑتال کی۔ پھر جامع مسجد کی کیفیت دیکھی اور حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس وقت تک کوئی آمدنی مسجد کے نام کی نہیں اور نہ وہ جگہ بھی پورے طور سے صاف ہوئی ہے۔ کچھ روز تو آپ کسی مصلحت سے خاموش رہے مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد پھر ہر دو حکم حاجی امداد اللہ صاحب کے بجالائے یعنی شادی بھی کرلی اور بنیاد مسجد بھی

[۱] شجرہ مبارکہ کی لکھائی بہت باریک ہونے کی وجہ سے پڑھنا دشوار ہے اس لیے طبع نہیں کیا جارہا۔ محمود میاں غفرلہٗ

کھدوانی شروع کردی چونکہ اس وقت روپیہ نہیں تھا تو اکثر بڑے بڑے ہوشیار کہنے لگے کہ حاجی صاحب گڑھے کھدوا کر ڈلوادیں گے مگر بمددِ خداوندِ کریم چند روز میں وہ بنیادیں بھی بھر گئیں اُس وقت سب کو خیال ہوا کہ جامع مسجد بن جاوے گی۔ مولوی عبدالخالق صاحب نے بھی حاجی صاحب سے کہا کہ اگر میرا کچھ مقرر کردو تو میں مسجد ہٰذا کا ساعی ہوں اور باہر جا کر چندہ جمع کروں۔ حاجی صاحب نے کچھ مقرر کردیا چنانچہ مولوی صاحب باہر گئے اور کئی سال تک مسجد کی تعمیر اِن کی سعی سے جاری رہی اور مسجد تیار ہوگئی جواب بفضلہٖ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی تعمیر ہوگی۔'' (تذکرۃ العابدین ص۷۲۔۷۳)

تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے :

''دارالعلوم ابتداء چھتہ کی مسجد میں قائم ہوا تھا۔ یہ ایک مختصر سی قدیم مسجد ہے جب طلبہ کی کثرت ہوئی تو دارالعلوم کو ایک دوسری قریبی مسجد میں منتقل کیا گیا جو'' قاضی مسجد'' کہلاتی ہے یہ مسجد کسی قدر کشادہ تھی مگر کچھ دنوں بعد جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو قاضی مسجد کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے لیا گیا۔ اس موقع پر اکابر دارالعلوم نے یہ محسوس کیا کہ اب دارالعلوم کے لیے ایک وسیع اور کشادہ عمارت کی ضرورت ہے۔ اس زمانے میں دیوبند کی جامع مسجد زیرِ تعمیر تھی اس لیے یہ طے پایا کہ جامع مسجد میں اس مقصد سے حجرے اور دالان بنائے جائیں چنانچہ اِس کا اعلان کردیا گیا اور چندے کی اپیل کی گئی اور جب ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں جامع مسجد تیار ہوگئی تو دارالعلوم کو اس میں منتقل کردیا گیا۔

دارالعلوم کے اہتمام کے علاوہ جامع مسجد کی تعمیر کا کام بھی حاجی سیّد محمد عابدؒ کی نگرانی میں ہورہا تھا دونوں کام کافی وقت چاہتے تھے اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ حاجی صاحب کے کاموں کے بار کو ہلکا کیا جائے لہٰذا دارالعلوم کا اہتمام پھر مولانا رفیع الدینؒ کے سپرد کردیا گیا جو حج سے واپس تشریف لاچکے تھے البتہ اہم اُمور کی نگرانی حاجی صاحبؒ سے متعلق رکھی گئی۔'' (تاریخ دارالعلوم ص۱۶۶ ج ۱)

جامع مسجد کی تعمیر ۱۲۸۳ھ میں شروع ہوئی اور ۱۲۸۶ھ میں مکمل ہوگئی تھی۔

تاریخ دیوبند میں تحریر ہے :

''حاجی صاحب نے موسس و مہتمم تعمیر کی حیثیت سے مسجد کے شمالی دروازے پر مسجد کے انتظام

سے متعلق ایک دستور العمل سنگِ سرخ پر کندہ کرا کر نصب کرا دیا ہے چنانچہ اسی کے مطابق نظم ونسق قائم ہے''۔(تاریخ دیوبند ص ۲۹۸)

مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں اسی زمانہ میں ایک بزرگ سیّد جمعیت علی دیوبندی نے ایک طویل مثنوی چھ ہزار تین سو اشعار پر مشتمل لکھی تھی۔حاجی صاحبؒ کی نسبت اسی مثنوی میں ایک شعر ہے۔

پیر جی عاشق علی کے نورِ عین بانیٔ مسجد ہوئے عابد حسین

(ملخصاً از تاریخ دیوبند ص ۳۰۰)

مولانا سیّد محبوب صاحب رضویؒ لکھتے ہیں :

''حاجی صاحبؒ کو عابد حسین اور محمد عابد دونوں ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن خود حاجی صاحبؒ کی جتنی تحریریں راقم سطور کی نظر سے گزری ہیں اُن میں خود اُن کے قلم سے محمد عابد تحریر ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اولاً اِن کا نام عابد حسین تھا مگر بعد میں غالباً خود انہوں نے اِسے محمد عابد سے بدل لیا جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا نام شروع میں امداد حسین تھا مگر بعد میں امداد اللہ کرلیا کچھ یہی صورت یہاں بھی ہوئی ہے''۔(تاریخ دار العلوم ج ۲ ص ۲۲۵ حاشیہ ۲)

اب دیوبند میں متعدد مساجد میں نمازِ جمعہ ہوتی ہے مگر جامع مسجد یہی کہلاتی ہے اور یہ سب سے بڑی مسجد ہے۔جب دار العلوم جامع مسجد میں منتقل ہوا تو ۱۲۹۰ھ کا جلسہ تقسیم انعام وہیں منعقد ہوا۔

تاریخ دار العلوم میں تحریر ہے :

''۱۲۹۰ھ میں پانچ طلبہ نے سند فراغت حاصل کی فارغین کی اس جماعت میں حضرت شیخ الہندؒ بھی شامل تھے۔۱۹/ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ یوم جمعہ کو جامع مسجد میں (جہاں دار العلوم منتقل ہوگیا تھا) جلسہ عطائے سند و تقسیم انعام منعقد ہوا۔بعد نمازِ جمعہ حضرت نانوتویؒ نے ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی جس کے اقتباسات درج کیے گئے ہیں''۔(ملخصاً ص ۱۶۹ ج ۱)

''چند خیر خواہان بے غرض نے بنام خدا اِس قصبہ دیوبند میں مدرسہ کی طرح ڈالی اور تمام بنی آدم اور خصوصاً اہلِ اسلام کی بہبودی کی صورت نکالی۔سو بحمد اللہ اپنے خیال سے بڑھ کر اس نے رونق پائی اور یہاں کی دیکھا بھالی جابجا مدرسے مقرر ہوئے۔اور اس آخری زمانہ میں علم کا پھر اس طرح چرچا ہوا جیسا گل ہوتے ہوئے چراغ سنبھالا لیا کرتا ہے اور بحمد اللہ سینکڑوں آدمی اس دولت عظمیٰ سے اس مدرسہ میں آکر مستفید ہوئے اور تھوڑا بہت اپنی لیاقت کے موافق حصہ لے اُڑے مگر سب دُور

ونزدیک کے رہنے والے جانتے ہوں گے کہ اس مدرسہ کی بناء دیوبند والوں نے ڈالی ۔اس امر میں وہ سب کے امام ہیں ہر چند باہر کے صاحب اس کارِ خیر میں شریک ہوئے مگر جو کچھ ہے وہ دیوبند والوں کا ہی طفیل ہے اوراس وجہ سے اگر یوں کہا جائے کہ جتنا اور سب کو اس کارِ خیر کا ثواب ملے گا اتنا ہی تنہا دیوبند والوں کو ملے گا تو عین مطابق قول نبوی ﷺ **من سن سنة حسنة فله اجرها واجرمن عمل بها الی یوم القیامه او کما قال** ہوگا۔ واقعی اہلِ دیوبند نے وہ کام کیا ہے کہ قیامت تک صفحۂ ہستی پران کی یادگار رہے گی ۔ یہ نامی مدرسہ ہمیشہ ہمیشہ اہلِ دیوبند کی یادگاری کا باعث رہے گا چونکہ اوراکثر مدارس اس مدرسہ کی دیکھا بھالی مقرر کئے گئے ہیں یا کئے جاتے ہیں تو کوئی مدرسہ اس سے ترقی کر پائے ، پراہلِ عقل کے نزدیک وہ دیوبند ہی کا پرتو ہوگا اور اس پر جب یہاں کے باشندوں کی شکستہ حالی اور پریشانی روزگاری پر نظر کی جائے تو یہ ان کی ہمت کی بات کسی طرح ان کاموں سے کم نہیں جو اہلِ سلطنت نے برفاہِ عام کیے ہیں بایں ہمہ کھانے کی امداد میں طالب علموں کے ساتھ جو دل سوزی یہاں کے باشندوں نے کی وہ اتنی نہیں کہ ہم زباں سے ادا کریں۔

فرشتوں نے اگر طالبانِ علوم کے قدم کے نیچے پر بچھائے تو انہوں نے ان کے سر پر دستِ شفقت رکھا، ماں باپ کو بھلا دیا، دیوبند کو مثل گھر بنا دیا۔ یہ وہ خاص بات ہے جس میں شرکاء چندہ میں سے کوئی ان کا شریک وسہیم نظر نہیں آتا اس کے عوض میں خداوند کریم یہاں کے باشندوں کو دارین میں جزائے کامل عطا کرے۔ بالجملہ اس دولت بے زوال سے بدولت اہلِ دیوبند عالم مستفید ہے۔'' (تاریخ دارالعلوم ص۱۶۹ و ص۱۷۰ ج ۱)

دارالعلوم کے لیے وسیع جگہ :

تذکرۃ العابدین میں بناء جامع مسجد کے ذیل میں تحریر ہے :

''بعض کام مسجد کے جواَب تک باقی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت بنائے جامع مسجد کے یہ بات قرار پائی تھی کہ مسجد کی سہ دریوں میں مدرسہ رہے گا، علیحدہ نہیں بنوایا جائیگا مگر کئی سال کے بعد اہلِ شورٰی کا یہ مشورہ ہوا کہ مدرسہ علیحدہ بنوایا جاوے۔ اس وقت حاجی صاحب نے کہا کہ تم نے مسجد کا کام کیوں بڑھوا دیا۔ مسجد میں سہ دریوں کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔

اُس وقت اہلِ شوریٰ نے یہ سمجھا کہ حاجی صاحب کو رنج ہوا سب خاموش ہو رہے اور مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد سے آکر بہت کچھ عذر کیا کہ ''مجھ کو معلوم نہیں تھا کہ اہلِ شوریٰ نے آپ سے پہلے ذکر نہیں کیا اور خفیہ طور سے مشورہ کیا ہے میں معافی چاہتا ہوں'' پھر کسی نے کچھ ذکر نہ کیا۔

ایک روز حضرت حاجی صاحب کو خود خیال آیا اور اہلِ شوریٰ سے کہا کہ مدرسہ علیحدہ بنانا چاہیے اور مدرسہ کے واسطے جگہ خریدنی چاہیے۔ اہلِ شوریٰ نے کہا کہ اگر آپ کی رائے ہے تو بہت بہتر ہے مگر آپ ہی جگہ تجویز کر کے خرید فرمائیے۔ چند روز کے بعد حاجی صاحب نے جگہ تجویز کر کے خرید کی کہ جس کا بیعنامہ بھی حاجی صاحب کے نام ہے، مولوی رفیع الدین صاحب کو جو کہ مہتمم مدرسہ تھے اہتمام تعمیر سپرد کیا جو کہ بفضلہ آج ایک لاکھ روپیہ کی تعمیر کا مدرسہ تیار ہے اور دور دور ممالک میں جس کا نام آج روشن ہے''۔ (تذکرۃ العابدین ص۷۲ و ص۷۳)

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے تذکرۂ شیخ الہندؒ میں اس کھیوٹ کا نقشہ بھی دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیع جگہ موجودہ عمارت کے لیے پھر مسجد چھتہ ہی کے قریب پسند کی گئی اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب کے ایماء پر ان ہی کے اہتمام میں ایک قطعہ اراضی وقف کیا گیا جس کا نقشہ یہ ہے :

کھیوٹ بابت ۱۲۱۱ فصلی

نام پٹی	نام نمبردار	نمبر کھیوٹ	تعداد اراضی	جمع	نام حصہ دار
احمد نبی	آل حسن	۷۱۶	۵ بسولہ	خارج پڑتہ	وقف مدرسہ عربی باہتمام حاجی عابد حسین پسر عاشق علی مرحوم قوم سیّد ساکن دیہہ

(ماخوذ از تذکرہ شیخ الہندؒ ص۱۴۴، مولفہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم ناشر مدنی دار التالیف)

دار العلوم کے لیے موجودہ جگہ کی تجویز :

تاریخ دار العلوم میں تحریر ہے کہ :

''چھتے کی مسجد میں جگہ تنگ ہو جانے پر مدرسہ کو قاضی مسجد میں منتقل کیا گیا اور جب کچھ عرصے کے بعد وہ جگہ بھی کم ثابت ہوئی تو جامع مسجد میں مدارس کے قدیم طرز کے مطابق حجرے اور دالان

بنائے گئے جہاں ۱۲۹۰ھ میں دارالعلوم منتقل کیا گیا مگر دارالعلوم کی روز افزوں ترقی کے باعث بہت جلد یہ جگہ بھی ناکافی ہوگئی تو حضرت نانوتویؒ کے ایماء پر مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ آبادی سے باہر ایک کشادہ اور وسیع عمارت دارالعلوم کے لیے تعمیر کی جائے۔ ۱۹؍ذی قعدہ ۱۲۹۱ھ کو جلسہ انعام کے موقع پر یہ تجویز پیش کی گئی جس کو حاضرینِ جلسہ نے پسند کرتے ہوئے ضروری قرار دیا اور اس کے لیے اُسی وقت چندہ جمع ہونا شروع ہوگیا چنانچہ ایک قطعۂ زمین آبادی کے شمال مغرب میں خرید لیا گیا یہ جگہ چھتے کی مسجد سے ملحق اور آبادی سے قریب ہونے کے باوجود ایسی تھی جس میں دارالعلوم کے بڑھنے اور پھلنے کے لیے گنجائش موجود تھی۔ روداد میں لکھا ہے: اللہ کا شکر ہے کہ مثل دیگر تائیداتِ غیبی کے اس آرزو دیرینہ میں بھی جس کی سالہا سال سے اُمید تھی تائید غیبی نے جوش مارا اور رحمتِ الٰہی شامل حال ہوئی یعنی اربابِ شوریٰ کی رائے میں یہ تجویز قرار پاگئی کہ ایک مکان وسیع تعلیم وسکونت ودیگر حاجات طلبۂ مدرسہ کے لیے تیار کیا جائے چنانچہ ۱۹؍ذی قعدہ ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ عین جلسہ انعام طلبہ میں اس کے لیے گزارش کیا۔ اُسی وقت بہت سے ذی ہمتوں نے ایک فرد چندہ تیار کی اور بہت سے عالی ہمتوں کے نام اس میں تحریر کیے گئے الخ۔'' (تاریخ دارالعلوم ص ۱۷۴ و ۱۷۵ ج ۱)

صاحب تذکرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ اچانک یہ بات سن کر کہ مدرسہ کے لیے نئی جگہ کی تجویز ہورہی ہے کبیدہ خاطر ہوئے اور تاریخ دارالعلوم میں بحوالۂ رُوداد مجلس شوریٰ کا بالاتفاق طے کرنا تحریر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تذکرہ کی بات پہلے کی ہے اور اس میں تحریر حضرت نانوتوی قدس سرہ کے جامع مسجد سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ مدرسہ سے تشریف لائے نہ کہ وہاں کے کسی جلسہ سے اور پھر یہ ہوا کہ سب متفق الرائے ہوگئے اور ۱۲۹۱ھ میں نئی جگہ کے لیے چندہ کی اپیل کی گئی۔ نئی جگہ بنیاد ۱۲۹۲ھ میں ہوا اس میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے تقریر ہی نہیں فرمائی تھی بلکہ ان کی تحریر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے پڑھ کر سنائی تھی وضاحت کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سن وار ساری کارروائیاں لکھ دی جائیں۔

حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آغاز ہی سے کبھی اپنے نام کی خصوصیت نہیں برتی۔ قیام دارالعلوم کے اعلان کی عبارت سے یہ واضح ہے۔

''الحمد للہ دیوبند میں اکثر اہلِ ہمت نے جمع ہوکر کسی قدر چندہ جمع کیا اور ایک مدرسہ عربی پندرہ تاریخ محرم ۱۲۸۳ھ سے جاری ہوا''۔

اسی طرح اس اعلان کے آخر میں حاجی صاحبؒ نے اپنے آپ کو دوسروں کے برابر رکھا ہے سوائے اِس کے کہ اُن کا اسمِ گرامی سب سے پہلے لکھا گیا ہے۔ تحریر ہے کہ :

''نام متممان کے درج ذیل ہیں
جن صاحبوں کو روپیہ چندہ بھیجنا منظور ہو تو بنام ان کے بذریعہ خط بیرنگ ارسال فرمادیں۔ رسید اُن کی بصیغۂ پیڈ بھیجی جاوے گی فقط حاجی عابد حسین صاحب، مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی مہتاب علی صاحب، مولوی ذوالفقار علی صاحب، مولوی فضل الرحمٰن صاحب، منشی فضل حق صاحب، شیخ نہال احمد صاحب، العبد فضل حق سربراہ کار مدرسہ عربی وفارسی وریاضی قصبہ دیوبند تحریر بتاریخ ۱۹؍محرم الحرام ۱۲۸۳ھ روز دوشنبہ۔'' (تاریخ دارالعلوم ص ۱۵۶۔۱۵۷ ج ۱)

مولانا محبوب رضویؒ لکھتے ہیں :

''ان میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ دارالعلوم کے سب سے پہلے سرپرست تھے اور حضرت حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ پہلے مہتمم تھے۔'' (تاریخ دارالعلوم ص مذکورہ بالا)

یہی حضرات اراکینِ شوریٰ قرار پائے۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۶۱ ج ۱)

سالانہ امتحان شعبان ۱۲۸۳ھ میں ہوا۔ ممتحن حضرات تین تھے حضرت نانوتویؒ، مولانا مہتاب علی صاحبؒ، مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمہم اللہ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۶۰ و ص ۱۶۱ ج ۱)

۱۲۸۴ھ میں وبائی امراض اس شدت سے ہوا کہ دو ماہ مدرسہ بند رہا اور حضرت حاجی صاحبؒ نے اچانک حج کا ارادہ فرمالیا اُن کے اِس سفر کو دارالعلوم کے لیے زلزلہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابتداء شعبان ۱۲۸۴ھ سے مولوی رفیع الدین صاحب کو مہتمم بنادیا گیا۔

۱۲۸۵ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے طلبہ کا سہ ماہی امتحان لیا اور مدرسہ کا معائنہ فرمایا۔

۱۲۸۶ھ میں ملک گیر قحط رہا اور تپ ولرزہ کی وباء کی شدت رہی، مدرسہ میں پانچ ماہ تعلیم نہیں ہوسکی۔ اس سال اہتمام میں پھر تبدیلی ہوئی۔ مولانا رفیع الدین صاحبؒ سفرِ حج پر چلے گئے اور حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کو دوبارہ مہتمم بنا دیا گیا۔

۱۲۸۷ھ: گزشتہ برس کا سالانہ امتحان اس سال ذی الحجہ میں لیا گیا ملک میں قحط اور گرانی رہی۔

۱۲۸۸ھ: طلبہ کی تعداد بڑھ گئی قاضی کی مسجد کے قریب کرایہ پر مکان لیا گیا۔ اس موقع پر اکابر دارالعلوم نے یہ محسوس کیا کہ اب دارالعلوم کے لیے ایک وسیع اور کشادہ عمارت کی ضرورت ہے۔ اس زمانے میں دیوبند کی جامع مسجد زیرِ

تعمیر تھی اس لیے یہ طے پایا کہ جامع مسجد میں اس مقصد سے حجرے اور دالان بنائے جائیں چنانچہ اس کا اعلان کر دیا گیا اور چندے کے لیے اپیل کی گئی اور جب ۱۲۹۰ھ میں جامع مسجد تیار ہوگئی تو دار العلوم کو اس میں منتقل کر دیا گیا۔

اسی سال مولانا رفیع الدین صاحبؒ کی واپسی پر اہتمام دار العلوم حاجی صاحبؒ کے پاس کام زیادہ ہونے کی وجہ سے انہیں دیدیا گیا البتہ اہم امور کی نگرانی حاجی صاحبؒ سے متعلق رکھی گئی۔

۱۲۸۹ھ.......عطاء اسناد :

مولانا احمد حسن امروہی، مولانا خلیل احمد انبہٹوی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا عبداللہ انصاری انبہٹوی، مولانا فتح محمد تھانوی، مولانا محمد فاضل پھلتی، مولانا احمد حسن دیوبندی، قاضی جمال الدین، مولانا عبداللہ جلال آبادی رحمہم اللہ اور ۱۶/ حضرات اس وقت موجود نہ تھے۔

۱۲۹۰ھ.......جلسہ تقسیم انعام :

اس جماعت میں حضرت شیخ الہندؒ بھی شامل تھے۔ ۱۹/ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ جمعہ کے دن جامع مسجد میں جہاں دار العلوم منتقل ہو گیا تھا جلسہ عطاء سند و تقسیم انعام منعقد ہوا۔ شرکاء جلسہ میں حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت قاضی محمد اسمٰعیل صاحب منگلوری، مولانا محمد مظہر صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہم تھے رحمہم اللہ۔

بعد نماز جمعہ حضرت نانوتوی قدس سرہ نے ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی۔ یہ تقریر تاریخ دار العلوم ج ۱ میں ص ۱۶۹ سے ۱۷۳ تک تحریر ہے۔ علوم مروجہ کی تعلیم پر بھی آپ نے روشنی ڈالی ہے (یہ آج کل طبع ہونے کے قابل ہے)۔ جلسہ میں حسب ذیل حضرات کے سروں پر دستار فضیلت باندھی گئی :

"مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا عبدالحق پور قاضویؒ، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مولانا فتح محمد تھانویؒ اور مولانا عبداللہ جلال آبادیؒ۔"

۱۲۹۱ھ میں مدرسہ تھانہ بھون کا دار العلوم دیوبند سے الحاق ہوا۔ اسی سال حضرت شیخ الہندؒ اعزازی (بلا تنخواہ) دار العلوم کے معین مدرس مقرر ہوئے۔

۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۵ء میں انگریز کا جاسوس "جان پامر" آیا اُس کی رپورٹ تاریخ دار العلوم میں ص ۱۷۵ ج ۱ میں ملاحظہ ہو، دلچسپ اور علمی ہے۔

۱۲۹۲ھ میں جلسۂ تقسیم اسناد ۲/ ذی الحجہ جمعہ کے دن ہوا۔ اس جلسہ میں حضرت نانوتویؒ کی تحریر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہما نے پڑھ کر سنائی۔ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے دستار بندی فرمائی پھر مجمع نے نئے

جگہ جا کر سنگِ بنیاد رکھا۔ سنگِ بنیاد حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رکھوائی گئی پھر ایک ایک اینٹ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ نے رکھی اور حضرت میانجی منے شاہؒ اور حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ نے بھی رکھی۔

اس موقع پر یہ روایت بھی مشہور ہے کہ جب بنیاد رکھی جا چکی تو سب لوگوں نے دارالعلوم کی بقاء وترقی کے لیے نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دعاء کی، حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ :

''عالمِ مثال میں اس مدرسہ کی شکل ایک معلق ہانڈی کے مانند ہے جب تک اس کا مدار توکل اور اعتماد علی اللہ پر رہے گا یہ مدرسہ ترقی کرتا رہے گا۔'' (تاریخ دارالعلوم از ص ۱۸۲۔۱۸۴، ج ۱ ملخصاً)

تاریخ دارالعلوم میں ہے :

''یہ عمارت آٹھ سال کی مدت میں تیئیس ہزار (۲۳۰۰۰) روپے کے صرف سے ''نودرہ'' کے نام سے بن کر تیار ہوئی۔ روداد میں لکھا ہے کہ :''اس عمارت میں سادگی اور استواری کو مقدم رکھا گیا ہے اس کا نقشہ منجانب اللہ قلوب پر الہام ہوا تھا۔''

''یہ عمارت مہتمم دوم حضرت مولانا رفیع الدینؒ کے زمانہ اہتمام میں تعمیر ہوئی۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ارشاد فرمارہے ہیں کہ :

''یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے''

یہ فرما کر خود عصائے مبارک سے ایک طویل وعریض نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ ان نشانات پر تعمیر کی جائے چنانچہ اسی کے مطابق بنیاد کھدوا کر تعمیر شروع کرائی گئی۔ دارالعلوم کی یہ جگہ احاطہ مولسری کے نام سے موسوم ہے اسی احاطہ میں وہ تاریخی کنواں ہے جو نودرے کے ساتھ بنا تھا۔ یہ کنواں بڑا بابرکت سمجھا جاتا ہے اس کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے۔ مشہور عالم ومصنف مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اس کنویں کے پانی کی نسبت اپنا یہ تاثر بیان کیا ہے کہ اتنا لذیذ اتنا خوشگوار اتنا شیریں صاف وسبک اور خنک پانی میں نے اس سے پہلے نہیں پیا تھا۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۸۵ ج ۱)

حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ ہی نے ایک دوسرے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ کنواں دُودھ سے بھرا ہوا ہے اور آنحضرت ﷺ پیالے سے دودھ تقسیم فرمارہے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس چھوٹے برتن ہیں بعض کے پاس بڑے، ہر شخص اپنا اپنا برتن دودھ سے بھر وا کر لے جارہا ہے۔ مولاناؒ نے برتنوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی یہ تعبیر دی کہ اس سے ہر شخص کا ''ظرف علم''

مراد ہے۔(تاریخ دار العلوم ملخصاً از ص ۱۸۳ تا ۱۸۶ ملخصاً)

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہو رہا ہے کہ اہلِ شوریٰ کی رائے پہلے کچھ اور تھی، بعد میں کچھ اور ہوئی جس سے حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبیدہ خاطر ہوئے اور کبیدگی کی وجہ بھی ذکر فرمادی کہ ''مسجد کا کام کیوں بڑھوا دیا''

☆ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ نے یہ محسوس فرمایا اور فوراً تدارک فرما کر کبیدگی خاطر رفع فرمادی۔

☆ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے پھر کچھ روز اس نقطہ نظر سے غور فرمایا اور اہلِ شوریٰ کو اجازت دی کہ جگہ خرید لیں۔ ظاہر ہے کہ جس کے اُوپر ذمہ داری ہو وہ بغیر غور وفکر کیے ایک دم رائے نہیں بدلا کرتا۔

☆ اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ پھر انہوں نے اپنے خلوت خانہ اور عبادت خانہ یعنی مسجد چھتہ سے متصل جگہ کا سودا کیا اور اس جگہ کو اس عظیم کارِ خیر کے لیے پسند فرمایا تاکہ جہاں سے کام شروع ہوا ہے وہیں جگہ لے کر پھیلا دیا جائے چنانچہ آج دار العلوم چھتہ کی مسجد سے شروع ہو کر باب الظاہر بلکہ قبرستان قاسمی و قبر حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ للہ علیہ تک پھیل گیا ہے۔

☆ اس جگہ کا بیع نامہ خود حضرت حاجی صاحبؒ ہی کے نام پر ہے یہی صاحبِ تذکرہ نے ص ۴۷ پر بصراحت تحریر فرمایا ہے۔

☆ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کا قیام میرٹھ میں رہتا تھا اور حضرت اقدس کے اعتذار سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ شوریٰ نے آپ سے پہلے ذکر نہیں کیا اپنے طور پر مشورہ کیا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ کو ان باتوں کے حضرت حاجی صاحب تک نہ پہنچانے کا صدمہ ہوا اور ان کی نظر میں یہ اہلِ شوریٰ کی غلطی تھی۔

☆ اقبال حسن خان پی۔ ایچ۔ ڈی نے لکھا ہے :

> ۱۲۹۰ھ تک دار العلوم کے عملی کاموں میں مولانا محمد قاسم صاحب (قدس سرہ) کا ذکر نہیں ملتا۔ ہاں ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۶ء میں جب مدرسہ کا موجودہ وسیع تخیل سامنے آیا اور خاکہ تیار ہوا تو اُس میں مولانا محمد قاسم صاحب کی ذات گرامی پیش پیش تھی۔ یہ سب حضرات شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے متاثر اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے۔ مدرسہ کے لیے (موجودہ وسیع شکل میں) ہفت سالہ نصاب تعلیم اور مستقل نظامِ عمل اور اساسی قواعد مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہی نے بنائے اور پوری طرح آپ نے اس رَو کو پیشِ نظر رکھا جو شاہ صاحب اور اسلاف کے پیشِ نظر تھی۔''(شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ص ۱۰۶ و ص ۱۰۷)

جناب اقبال حسن خان کے سامنے پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی معلومات آنے سے رہ گئیں یا اُن پر غور کرنے کا موقع نہیں ملا مثلاً ان کا یہ فرمانا کہ جناب حاجی محمد عابد صاحب کے ذہن میں ایسا بڑا مدرسہ نہ تھا درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ چھوٹے مکتب تو دیو بند میں موجود تھے جن کا ذکر تاریخ دیو بند میں ہے اور مولانا مہتاب علی صاحب کا بھی مکتب تھا (جنہیں دارالعلوم کی شوریٰ میں لیا گیا ہے) اگر ایسا ہی مکتب بنانا ہوتا تو وہ تو جناب حاجی محمد عابد صاحبؒ تنہا ہی بنا سکتے اور چلا سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضرت سیّدنا و مولانا نانوتویؒ کو بلایا۔

☆ حضرت حاجی صاحبؒ مولانا ولایت علی قدس سرہٗ سے بیعت تھے اور ان سے خلافت حاصل تھی اور ان کو حضرت سیّدنا احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے (ملاحظہ ہو نقشہ سلاسل در ملفوظات انوری) وہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی تحریک سے واقف تھے۔

☆ وہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے، اُن کے مجاہدانہ کارناموں سے، اُن کے علمی بلند پایہ سے بھی خوب واقف تھے۔ ان کے ساتھ گہرے تعلقات تھے اور اس علاقہ کے سرگروہان اولیاء و علماء و صلحاء (یعنی حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا محمد یعقوب، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب وغیرہ قدس اللہ اسرارہم و نور مراقدھم) کے ساتھ ۱۲۷۸ھ میں یعنی ۱۸۵۷ء سے صرف چھ سال بعد سفر حج کر چکے تھے (اس سفر کا حال بیاض یعقوبی میں مولانا محمد یعقوب صاحب نے خود بھی تحریر فرمایا ہے وہ ایسے ہی جلیل القدر علماء پر مشتمل ایک درس گاہ بنانے کے خواہش مند تھے چھوٹی موٹی درس گاہ کے نہیں۔ یہ بلا شبہ ایسے علماء تھے کہ ایک ایک عالم ایک ایک یونیورسٹی پر بھاری تھا بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جنہوں نے حضرت کو دیکھا ہی نہیں یعنی ہم تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل کے معترف ہوں اور حضرت حاجی صاحب جنہوں نے دیکھا تھا اور جن کے نظرِ انتخاب نے انہیں ہی پسند کیا تھا اور ان کی جلالتِ شان سے واقف نہ ہوں تو حاجی صاحب کے ذہن مبارک میں بقدر قامت حضرت نانوتویؒ بڑا مدرسہ تھا چھوٹا نہیں۔

☆ حضرت مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً اور صاحبِ تذکرۃ العابدین نے مفصل طور پر یہ ذکر کیا ہے کہ حاجی صاحب کو درسگاہ بنانے کا الہام ہوا کہ علمِ دین نہ اُٹھنے پائے ظاہر ہے چھوٹے مدرسہ یا مکتب سے یہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ اسی طرز کی درس گاہ سے پورا ہوسکتا تھا جس سے فقہاء و محدثین کے گروہ پیدا ہوں۔

☆ حضرت اقدس الحاج محمد عابد صاحبؒ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی صف کے تھے۔ باقی حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ دیو بند کے عوام تک سے کتنے خوش ہوئے اس کا اندازہ حضرت کی تقریر سے لگائیے جو مبالغہ سے خالی اور خوش بیانی میں سحر ہے۔ یہ روئداد ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۲ء ص ۲ کے حوالہ سے تاریخ دیو بند میں نقل کی گئی ہے جو آپ پڑھ چکے ہیں۔

☆ مدرسہ تو شاید حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے اندازہ سے بھی زیادہ بڑا ہوگیا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا فرمانا تھا کہ اگر مدرسہ پچاس سال چل جائے تو مقصد پورا ہوگیا۔ حضرت شیخ الہندؒ اس سے اپنے جہادِ آزادی میں بھرپور حصہ لینے پر استدلال فرماتے تھے کہ اگر اس کی وجہ سے خدانخواستہ اب مدرسہ بند بھی ہوجائے تو حرج نہیں۔ وہ مدت پوری ہوگئی ہے جو استاذ علوم کی نیت تھی۔

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی حیات تک بلکہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی حیاتِ طیبہ تک بھی طلبہ کی تعداد تھوڑی ہی تھی (تقریباً ایک سوستر کیونکہ حضرت کی وفات ۱۳۹۷ء میں ہوگئی)۔ تعداد کا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے کیجئے :

۱۲۸۳ھ میں ۷۸ طلبہ تھے ۱۲۹۳ھ میں ۱۷۸ طلبہ تھے

۱۳۰۴ھ میں ۱۵۹ طلبہ تھے ۱۳۱۲ھ میں ۲۹۳ طلبہ تھے

۱۳۲۲ھ میں ۲۸۴ طلبہ تھے

اس کے بعد طلبہ کی تعداد اور زیادہ بڑھتی چلی گئی حتی کہ سوسال بعد ۱۳۸۲ھ میں ۱۵۶۹ طلبہ ہوگئے۔ (تاریخ دیوبند ص ۲۷۲)

اور اب بحمداللہ ڈھائی ہزار کے قریب طلبہ ہونے لگے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد وتقبل واجعل سعیھم مشکورا. (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

آیئے قرآن سیکھیں (فرقہ واریت سے پاک ماحول) برائے خواتین وحضرات

فہمِ قرآن کلاس

مدت 3 ماہ (روزانہ ایک گھنٹہ) بلامعاوضہ

آغاز 19/ جولائی 2004ء سے ہوگا

کلاس (1) دی لارئیٹ اکیڈمی فرسٹ فلور المیز ان سپر سٹور شاہدرہ موڑ لاہور صبح 5:30 تا 6:30

کلاس (2) کامسٹ کالج بنک سٹاپ وحدت روڈ لاہور شام 7:30 تا 8:30

رابطہ : مولانا احمد یار لاہوری، مدیر عالمی فہمِ قرآن (ٹرسٹ) دارالعلوم لاہور

فون نمبر: 7913549 موبائل 0333-4384843

سلسلہ نمبر ۶ قسط : ۸

"الحامد ٹرسٹ" نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہوسکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔(ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٗ

﴿ نظر ثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

☆☆☆

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی بجنور (یو۔پی ،انڈیا) نے اپنی قیمتی تالیف "تذکرۂ شیخ الہندؒ "میں یہ سوال اُٹھایا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا بانی کون ہے؟ حضرت حاجی محمد عابد صاحب یا حضرت اقدس نانوتوی رحمہما اللہ؟ وہ لکھتے ہیں :

دارالعلوم دیوبند کا بانی :

اگر مدرسہ عربیہ دیوبند المعروف بہ دارالعلوم دیوبند کی ابتداء ۱۲۸۳ھ مسجد چھتہ سے مانی جائے تو بلا شک وشبہہ اس کے بانی حضرت حاجی سیّد محمد عابد حسین صاحب دیوبندی ہیں حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب نہیں ہیں کیونکہ :

(۱) جس وقت مدرسہ مذکور کے لیے چندہ کیا گیا تو اُس وقت حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ دیوبند میں موجود نہ تھے اور نہ اُن کو اِس کی خبر تھی بلکہ وہ بروایت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند میرٹھ میں تصحیح کا کام کر رہے تھے۔حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب تحریر فرماتے ہیں :

"پھر مولوی صاحب نے مطبع احمدی میں تصحیح کتب کی مزدوری کرلی"۔

یہ واقعہ ۱۲۶۷ھ کا ہے ۔ ۱۲۶۷ھ لغایۃً ۱۲۸۹ھ آپ سہارنپور (میرٹھ) دہلی میں کتابت یا تصحیح کتب کا کام کرتے رہے۔ حضرت میاں اصغر حسین صاحب حضرت شیخ الہندؒ کی تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

''۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر زمانہ اُستاذ حجۃ اللہ البالغہ مولانا محمد قاسم صاحب سے شروع کیں ۔مولانا ممدوح میرٹھ میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں تصحیح کا کام کرتے تھے پھر یہ مطبع دہلی منتقل ہوگیا تو مولانا ممدوح بھی دہلی مقیم ہوگئے اور کبھی کبھی دیوبند اور اپنے وطن نانوتہ بھی تشریف لیجا کر مقیم رہے۔حضرت مولانا نے ان سب مقامات میں اکثر اپنے باکمال اُستاذ کے ساتھ رہ کر دل و جان سے قابلِ رشک خدمت کر کے سعادت حاصل کی الخ'' ۱؎

اس تحریر سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ۱۲۸۶ھ تک دہلی اور میرٹھ وغیرہ رہے۔تذکرہ مشائخِ دیوبند کے مندرجات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی وغیرہ حضرات نے حدیث شریف حضرت مولانا سے دہلی اور میرٹھ رہ کر پڑھی۔غرضیکہ ۱۲۸۹ھ یا ۱۲۹۰ھ سے قبل حضرت نانوتویؒ کا مدرسہ عربیہ دیوبند سے باضابطہ تعلق ثابت نہ ہوسکا آپ کی آمدورفت اپنے بہنوئی کے یہاں ضرور رہتی تھی اور وہ بھی اس طرح جیسے عام طور پر رشتہ داریوں میں ملنے ملانے جاتے ہیں۔

(۲) سب سے پہلے حضرت حاجی سیّد محمد عابد حسین صاحبؒ نے چندہ کے لیے رُومال پھیلایا اور پانچ روپے اپنی جیب خاص سے نکال کر رومال میں ڈالے اس طرح سیّد صاحبؒ نے شام تک مبلغ تین سو روپے جمع کر لیے۔اس کے بعد سیّد صاحب کو مدرس کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو مدرسی کے لیے میرٹھ کو خط لکھا۔

''کل عصر اور مغرب کے درمیان تین سو روپے جمع ہوگئے اور اب آپ تشریف لے آیئے'' ۲؎

حضرت نانوتویؒ نے جواب تحریر فرمایا۔

''میں بہت خوش ہوا خدا بہتر کرے مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ روپے ماہوار پر مقرر کر کے بھیجتا ہوں وہ پڑھائیں گے اور میں مدرسہ کے حق میں ساعی رہوں گا''۔ ۳؎

اس سے معلوم ہوا کہ اصل بانی حضرت حاجی صاحب ہیں حضرت نانوتویؒ کو انھوں نے مدرسی کی غرض سے بلایا تھا اور اسی سے انھوں نے انکار کر دیا تھا۔تعجب ہے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے یہ کیسے تحریر فرمادیا ہے کہ ''حضرت نانوتویؒ نے مدرسہ مسجد چھتہ میں پڑھایا ہے ۲؎ لیکن اس کے متعلق ہم اوپر تحریر کر آئے ہیں اگر مولانا پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے آتے تب بھی ہم ان کو بانیوں کے زمرے میں شمار کر لیتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

۱؎ حیات شیخ الہندؒ ص ۱۱ ۲؎ سوانح قاسمی ص ۲۵۰ ، تذکرہ مشائخ دیوبند ۳؎ مسلک علمائے دیوبند

مدرسہ عربیہ دیوبند کی ابتدائی کارروائی اور اس کے لیے کوشش کرنے والوں میں صرف مندرجہ بالا چار حضرات ہی کا نام سامنے آتا ہے لیکن اس مدرسہ سے قلبی تعلق اس کے لیے دعائیں اور کوششیں کرنے میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت قاسم العلومؒ، سب ہی حضرات داخل ہیں جن کو تاریخی اعتبار سے بانی نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا اسم گرامی بجز مندرجہ بالا مکتوب کے دارالعلوم دیوبند کے کسی شعبہ میں ۱۲۹۰ھ تک نہیں ملتا۔ ہاں ۱۲۹۲ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کا موجودہ خاکہ تیار ہوا تو اُس میں حضرت مولانا کی شخصیت پیش پیش نظر آتی ہے لیکن افسوس کہ دارالعلوم کی ابتداء ۱۲۸۳ھ بتائی جاتی ہے۔

۳۔ مدرسہ کے مہتمم صاحبان :

۱۔ حاجی سیّد عابد حسین صاحبؒ : از ۱۲۸۳ھ تا ۱۲۸۴ھ۔ دوسری مرتبہ از ۱۲۸۶ھ تا ۱۲۸۸ھ۔ تیسری مرتبہ از ۱۳۰۶ھ تا ۱۳۱۰ھ۔

۲۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ : از ۱۲۸۴ھ تا ۱۲۸۵ھ۔ دوسری مرتبہ از ۱۲۸۸ھ تا ۱۳۰۶ھ۔

درمیان کی مدت میں ہر دو حضرات یکے بعد دیگرے حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

ہماری مندرجہ بالا تاریخی معلومات اور دارالعلوم دیوبند کی روئیداد سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کبھی دارالعلوم کے مہتمم بھی نہیں رہے۔ ۱۲۸۹ھ میں یہاں پہلا دورہ حدیث شریف ہوا اُس وقت کے مدرسین کی فہرست میں بھی مولانا علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی نہیں ملتا ہاں اس میں شک نہیں کہ ۱۲۸۶ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے ان سے کتب صحاح ستہ دہلی وغیرہ رہ کر پڑھی ہیں۔

۴۔ یہ تاریخی تبدیلی کب سے؟ :

ہمارے پاس ایک بہت ہی قدیم رسالہ ہے اس کی ظاہری حالت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی عمر نصف صدی سے زائد ہو چکی ہے۔ ذیل میں اس کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے :

> ''دو تین سال سے روئیداد سالانہ مدرسہ عربیہ دیوبند میں جہاں جہاں مدرسہ کا ذکر آیا ہے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو بانی مدرسہ لکھا ہوا دیکھا جاتا ہے اور نیز جب کہ ۶ جنوری ۱۹۰۵ء کو جناب لیفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر ممالک متحدہ دام اقبالہ بغرض معائنہ مدرسہ عربیہ دیوبند تشریف لائے تو اس بڑے جلسہ میں بھی جس میں علاوہ معززین اصحاب دیوبند و بیرونجات خود ہز آنر بنفس نفیس

رونق بخش جلسہ تھے علاوہ اور خلاف باتوں کے خصوصیت کے ساتھ یہ اظہار کیا گیا کہ مدرسہ عربیہ دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہیں چنانچہ روئیداد سال ۱۳۲۰ھ و ۱۳۲۲ھ وجلسہ منعقدہ ۶؍جنوری ۱۹۰۵ء سے چند اقتباس درج کیے جاتے ہیں۔الخ''

اس کے بعد رسالہ کے مرتب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں مذکورہ بالا حوالہ جات کی متعدد عبارتیں پیش کی ہیں وہ عبارتیں چونکہ طویل ہیں اس وجہ سے ان کو درج نہیں کیا جارہا ہے۔ بہرحال مندرجہ بالا عبارت سے یہ چیز بخوبی ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی بیسوی صدی عیسوی کے ساتھ ساتھ آئی ہے اس سے قبل کیا تھا اور کاغذات مدرسہ میں بانی کس کو لکھا جاتا تھا اس کے بارے میں رسالہ کے مرتب نے حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب پدر بزرگوار حضرت شیخ الہندؒ کا ایک اشتہار (جس کی تاریخ طباعت ۶؍جمادی الاول ۱۳۰۶ھ ہے) اپنے اس رسالہ میں نقل کیا ہے جس میں حضرت سیّد حاجی عابد حسین صاحب ہی کو مدرسہ عربیہ دیوبند کا بانی قرار دیا ہے۔اس اشتہار پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ جیسے اکابرِ ہند کے دستخط موجود ہیں۔

۵۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ نے اپنی کتاب **الهدية السنية فى احوال مدرسة الديوبندية** میں بھی حاجی عابد حسین صاحبؒ ہی کو مدرسہ کا بانی قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کی وفات ۱۳۲۲ھ میں ہوئی ہے۔

۶۔ اس میں شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کا موجودہ ڈھانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا ترتیب دیا ہوا تھا جس میں رنگ آمیزی حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شیخ الاسلامؒ نے کی اور اِس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ (تذکرہ شیخ الہندؒ از ص ۱۳۹ تا ۱۴۴)

تذکرۃ العابدین کے مضمون سے یہ بات زیادہ واضح ہوجاتی ہے کہ اختلاف تھا ہی نہیں بلکہ اراکینِ شوریٰ کی رائے بدل جانے پر خفگی تھی کہ جامع مسجد میں حجروں کا کام کیوں بڑھوایا تھا۔ خفگی جاتی رہی اور راضی ہوگئے اور موجودہ قطعہ خرید کر وقف کیا جس پر سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ ملاحظہ ہو مفتی صاحب کا وہ کھیوٹ کا نقشہ جو گزرا۔

ایسے اختلاف ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں حتی کہ ایک گھر میں بھی ہوجایا کرتے ہیں۔ مثل مشہور ہے ''جہاں برتن ہوتے ہیں کھڑکتے ہیں'' لیکن اس خفگی کو بڑھا چڑھا کر بتلانا بعد کے دور کی بات ہے کسی خاص غرض سے ایسا ہوا ہے اصل اختلاف وہ تھا جو ۱۳۱۰ھ میں پیش آیا جس کے بعد حاجی صاحبؒ نے مدرسہ کا چارج نہیں لیا اور یکسو ہوگئے۔ مدرسہ چل ہی رہا تھا اور انہیں ناموری مطلوب نہ تھی اور یہ حضرت نانوتویؒ کی وفات سے تیرہ سال بعد کی بات ہے پھر بھی جو اُس بعد کے دور کی اختلافی باتیں سنی جاتی ہیں تو وہ اِس قسم کی ہی سمجھنی چاہئیں جیسی بعض جگہ بزرگوں کے متعلقین میں پیدا ہوجاتی ہیں۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان چیزوں سے بالاتر تھے اور اسی طرح مدرسہ کے ارکان بھی۔ ایسے ہی مواقع کے لیے ہدایت کی گئی ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ یکساں نند در نوشتن شیر و شِیر

☆ میں نے کبھی حضرت مدنی قدس سرہ سے یا اُن کے حلقہ میں کسی سے حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کوئی برائی نہیں سنی بلکہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ جناب حاجی محمد عابد قدس سرہ کا تذکرہ حذف کیا جائے کیونکہ ایک عرصہ تک نہ معلوم کیوں دارالعلوم میں ایسا کیا جاتا رہا ہے۔ حضرت اقدس اسے حق تلفی سمجھتے تھے۔ دیوبند میں یہی لوگ حضرت سے تعویذ لیتے تھے۔ میرے زمانہ تعلیم ۴۵ء میں حضرتؒ ان کو حضرت حاجی صاحب کے پوتے سیّد التفات حسین صاحب کے یہاں سے تعویذ لینے کو فرماتے تھے۔

☆ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ یہ اختلاف نہایت بے نفسی کے ساتھ تھا کیونکہ اگر حاجی صاحب طالب اہتمام ہوتے اپنے لیے یا اپنے کسی بھی عزیز کے لیے تو اہتمام قبول فرمانے سے گریز نہ فرماتے بلکہ اہتمام کے طالب نظر آتے۔ پھر اختلاف بری نوعیت کا ہوتا لیکن معاملہ برعکس ہے۔ اراکینِ شوریٰ ان کے پیچھے پیچھے اصرار کرتے ہیں اور وہ بار بار دست کش ہوتے ہیں۔

☆ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت میں کوئی فرق نہیں آیا حتی کہ انہوں نے بے چینی میں اپنے استاد گرامی سے مشورہ لیا جس پر حضرت شیخ الہندؒ نے ملاقات کرتے رہنے کو مفید قرار دیا جیسا کہ اشرف السوانح کے حوالہ سے ابھی ذکر ہوگا۔ وہ اس سے پہلے حاجی صاحبؒ کے خلیفہ حاجی محمد انور صاحبؒ سے بھی ملتے تھے۔

☆ حضرت شیخ الہندؒ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ الھدیۃ السنیہ میں ان کی تعریف میں سب سے زیادہ رطب اللسان ہیں اور وہ ۱۳۲۲ھ تک حیات رہے ہیں اور چالیس سال تک دارالعلوم کے رکن رہے۔

☆ میں نے ۱۶؍ مارچ ۷۶ء کو حضرت مولانا عزیر گل صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں سخا کوٹ عریضہ لکھا اور دریافت کیا کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے مجوز اور مہتمم اول تھے کیا آنجناب نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے اُن کے بارے میں کوئی رائے سنی ہے؟ انہوں نے جواب ارسال فرمایا :

"حضرت حاجی محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فقط اتنا شیخ الہند رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ بزرگ ہیں اور کچھ نہیں (سنا) اور یہ مضمون جو آپ پڑھ رہے ہیں میں اب ان کی خدمت میں بھی ارسال کر رہا ہوں"۔

☆ اگر حضرت مدنی قدس سرہ نے حضرت شیخ الہندؒ سے مخالف رائے سنی ہوتی تو ان کی رائے بھی یہی ہوتی کہ

حاجی صاحبؒ کا ذکر کیا ہی نہ جائے لیکن واقعہ اس کے برعکس تھا آپ ان کا نام مبارک حذف کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور حضرت حاجی صاحب کے معاملہ میں تو کہیں کوئی ایسی بات ہی سامنے نہیں آتی بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ صرف چاہتے ہی یہ تھے کہ دین محفوظ ہو جائے اس سے زیادہ کوئی خواہش نہ تھی اور جیسا کہ گزرا ہے ان کے اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے درمیان طریقہ نقشبندیہ کے ایک اجازت نامہ میں درمیان میں صرف ایک ہی واسطہ تھا۔ دین کے بارے میں ان کے یہی جذبات قربانی اور بےلوثی ہونی چاہیے تھی پھر ساری عمروہ دنیا سے نظر پھیرے رہے ایسی پاک زاہدانہ زندگی بسر کی جو یہ ایک تارک الدنیا کی ہوتی ہے۔ اگر چہ دنیا خود اُن کے پاؤں میں رہتی تھی۔ اور اختلاف کے دور میں یکسوئی اختیار کر لینے سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا کہ برائی سے بچ جائیں اور نیکی عنداللہ محفوظ رہے۔ میں نے اپنے قیام دارالعلوم کے دوران جو واقعات سنے تھے اُن میں یہ بھی تھا کہ ایک دفعہ غلطی سے کسی طالب علم کے ساتھ زیادتی ہو گئی تو آپ نے اُس سے معافی مانگی۔ اہلِ اسلام کے نزدیک ایک امر مسلم ہے جسے ہماری اصول حدیث کی کتابوں میں جابجا بیان کیا گیا ہے ان علماء کو جو تاریخی مطالعہ کرتے ہیں اس زریں اصول کو پیش رکھنا چاہیے اور مراتبِ علماء وصلحاء ملحوظ رکھنے چاہئیں جبکہ جرحِ مبہم بھی اصولاً غیر موثر شمار کی گئی ہے وہ اصول یہ ہے :

قال تاج السبکی فی "الطبقات" فلا یُلتفت..... الثوری وغیرہ فی ابی حنیفةؒ وابن ذئب وغیرہ فی مالك وابن معین فی الشافعی والنسائی فی احمد بن صالح ونحوہ ولو اطلقنا تقدیم جرح لما سلم لنا احد من الائمة اذ ما من امام الاوقد طعن فیه طاعنون وهلك فیه هالکون. (طبقات ص ۹۷)

وقال الشیخ زکریا ادام اللّٰه فیوضه فی مقدمة " لامع الدراری" نقلاعن الحافظ زاهد الکوثری رحمه اللّٰه وزاد فیه اسمین فقال وقول الکرابیسی فی احمد وقول الذهلی فی البخاری. (رحمهم اللّٰه تعالیٰ) (مقدمة اللامع ص ۱۳)

اسی طرح ہر دور کے اہل اللہ حضرات کو بھی سمجھنا چاہیے **مثل امتی کمثل المطر لا یدری اولها خیرام اخرها (او کماقال)** یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب بھی حاجی صاحب کے قریب مسجد چھتہ کے حجرہ میں قیام رکھتے تھے اور جب حضرت نانوتوی قدس سرہ دیوبند تشریف لے آئے تو انہوں نے بھی اسی مسجد کے ایک حجرے میں قیام اختیار فرمایا۔ (جیسا کہ تاریخ دیوبند میں تحریر ہے)

"اور حضرت حاجی صاحبؒ تاحیات مسجد چھتہ میں اپنی جگہ رہتے رہے ہیں اور برابر میں دارالعلوم چلتا رہا ہے"۔

دارالعلوم کا سن وار حال بیان ہو رہا تھا۔۱۲۹۲ھ تک کا حال گزر چکا ہے۔اس کے بعد :

۱۲۹۳ھ میں فتاوٰی کا آغاز ہوا اور انبہٹہ مظفرنگر گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں تین مدارس بایماء حضرت نانوتویؒ قائم ہوئے، تینوں کا دارالعلوم سے الحاق کیا گیا۔

۱۲۹۴ھ میں تُرک مجروحین کے لیے طلبہ نے چندہ کر کے بھیجا یہ ترک مجروحین اور یتامیٰ ۷۷۔۱۸۷۸ء میں روس اور ترکی کے درمیان جنگ میں مجروح اور یتیم ہوئے تھے اس سے پہلے سال بھی دارالعلوم سے انہیں چندہ بھیجا گیا تھا اس سال کے آخر میں حضرت مولانا نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہتمم، مولانا محمود حسن صاحبؒ حج کے لیے روانہ ہوئے۔فرائض اہتمام حاجی فضل حق صاحب نے انجام دیے۔[1]

۱۲۹۵ھ میں فضلاء دیوبند نے ثمرۃ التربیت کے نام سے ایک جماعت قائم کی کہ ہر فارغ شدہ سال میں ایک ماہ کی تنخواہ مدرسہ کو دے۔

۱۲۹۶ھ یکم صفر کو جلسہ تقسیم انعام ہوا، اس موقع پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا :

''خداوند کریم کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ تیرہواں سال اس مدرسہ کا جس کو دارالعلوم کہنا بجا ہے بخیر وخوبی پورا ہوا، الخ''۔

اس کے بعد سے مدرسہ کے بجائے اسے دارالعلوم (یونیورسٹی) کہا جانے لگا۔اسی سال دارالعلوم میں تعلیم طب کا آغاز ہوا۔

۱۲۹۷ھ حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہٗ ۴؍ جمادی الاولیٰ بروز پنجشنبہ بعمر ۴۹ سال وصال ہوا۔**تغمده الله برحمة ورضوانه** ۔آمین۔

رُوداد دارالعلوم میں اراکینِ دارالعلوم کی طرف سے تحریر ہے :

''پندرہویں سال کا ختم ہونا اور سولہویں سال کا شروع ہونا اس قدر باعث خوشی نہیں ہے جس قدر اس کے مربی وسرپرست حضرت فخر العلماء مولانا مولوی محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لے جانا باعث حسرت وافسوس ہے الخ''۔

اراکین شورٰی نے آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو دارالعلوم کا سرپرست بنایا اور حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے مکہ مکرمہ سے یہ تحریر فرمایا :

---

[1] تاریخ دیوبند میں بحوالہ بیاض یعقوبی تحریر ہے کہ اس سفر حج میں حضرت گنگوہی مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی سمیت تقریباً سو حضرات کا قافلہ تھا۔(تاریخ دیوبند ص ۴۴۹)

''بعد حمد و صلوٰۃ کے فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ ان کی خدمت میں جو صاحب اس فقیر سے علاقۂ محبت اور ارادت اور قرابت رکھتے ہیں خواہ قرابت حسبی ہو یا نسبی عرض ہے کہ مدرسہ عربیہ دیوبند جو اس وقت میں اپنی خوبی سے نہایت رونق اور شہرت پر ہے فقیر کو اس سے ایک علاقۂ خاص ہے بلکہ یہ مدرسہ اپنا ہی مدرسہ سمجھتا ہے اس جہت سے سب صاحب اسی مدرسہ کو اپنا ہی مدرسہ سمجھیں اور جو کچھ اعانت اس مدرسہ کی اپنی ذات سے ہو سکے یا سعی اور سفارش سے ممکن ہو اس میں ہمیشہ ساعی رہیں اور نگرانی اس مدرسہ کی اپنے ذمہ ضروری سمجھیں کیونکہ اس آخری زمانہ میں جو مقبولیت بارگاہِ الٰہی میں کارخانہ علم کو ہے اور امر کو نہیں اور سب صاحب اس مدرسہ کے باب میں بلکہ ہر امر میں متفق و یک دل و یک جہت ہو کر ہمت فرماویں کیونکہ اتفاق اللہ جل شانہٗ کے نزدیک نہایت مقبول اور ہر کام میں موجب انجام نیک ہے فقط ۔'' (حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی یہ تحریر گرامی دارالاہتمام دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہے)

(تاریخ دارالعلوم ص۱۹۲، ج۱) (جاری ہے)

سلسلہ نمبر۶ قسط : ۹

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب ویکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظرثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

☆☆☆

حضرت اقدس مولانا نانوتویؒ اور دیوبند :

آپ کی پیدائش ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں حاصل کی۔ یہ قصبہ دیوبند سے جانب مغرب ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے یہاں نویں صدی ہجری سے صدیقی شیوخ کا ایک ممتاز خاندان آباد ہے حضرت نانوتویؒ اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔

مکتبی تعلیم کے بعد آپ کو دیوبند پہنچا دیا گیا یہاں کچھ دنوں مولوی مہتاب علی کے مکتب میں پڑھا پھر اپنے نانا کے پاس سہارنپور چلے گئے جو وہاں وکیل تھے۔ سہارنپور میں مولوی نواز سے عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء کے آخر میں ان کو حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ اپنے ہمراہ دہلی لے گئے وہاں کافیہ شروع کیا اور وہیں تکمیل علوم کی۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۰۲ ج ۱)

حضرت نانوتویؒ کی سسرال دیوبند کے محلّہ دیوان میں تھی۔ یہ محلّہ چھتے کی مسجد کے شرق میں واقع ہے اب اس محلّے کا خاصا حصہ دارالعلوم میں شامل ہو چکا ہے دارالعلوم کا مہمان خانہ اور اساتذہ کے لیے مکانات اسی جگہ تعمیر ہوئے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی رشتہ داری کی وجہ سے اکثر دیوبند تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔ دیوبند میں حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ اور حضرت حاجی محمد عابدؒ سے مودّت و محبت کا رشتہ قائم تھا۔
سوانح مخطوطہ کے مصنف نے لکھا ہے :

> ''اسی زمانے میں جناب مولوی رفیع الدین صاحب اور جناب حاجی محمد عابد صاحب رحمہما اللہ چھتے کی مسجد میں قیام پذیر تھے۔ مولانا نے ان بزرگوں کی وجہ سے اسی مسجد میں قیام کیا اور ان دونوں بزرگوں سے کمال درجے کا ربط ضبط قائم ہوگیا''۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۴۹ ج ۱)
>
> ''۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سفر حج بمعیت حضرت نانوتویؒ، مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہم اللہ کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ سفر پنجاب اور سندھ کے راستے سے کیا گیا''۔ (تاریخ دیوبند ص ۴۴۹)

۵۷ء کے بعد پادری میلوں اور عام مجمعوں میں اسلام اور آنحضرت ﷺ پر اعتراضات کرنے لگے۔ حضرت نانوتویؒ نے دلی کے قیام کے زمانہ میں جب یہ صورت حال دیکھی تو اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ وہ بھی اسی طرح بازاروں میں کھڑے ہو کر وعظ کہا کریں اور پادریوں کا رد کریں۔ ایک روز خود بھی بغیر تعارف اور اظہار نام مجمع میں پہنچے اور پادری تارا چند سے مناظرہ کیا اور اُس کو سر بازار شکست دی اس کے بعد ان کا تعارف مشہور مناظر اسلام مولانا ابوالمنصور ناصر الدین علی دہلوی (وفات ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) سے ہوا۔ یہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ تا جمادی الثانیہ ۱۲۹۲ھ کے درمیان کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں حضرت نانوتویؒ منشی ممتاز علی کے مطبع مجتبائی دہلی میں مقیم تھے۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۷۰ ج ۱)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور نانوتہ اور آپ کا شجرہ نسب :

یہ تو بتلایا جا چکا ہے کہ نانوتہ دیوبند کے قریب بجانب مغرب صرف ۱۶ میل پر ایک قدیم قصبہ ہے، یہ سہارنپور شاہدرہ دہلی کی لائٹ ریلوے لائن پر واقع ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کی نسبت تاریخ سہارنپور (شاہ ہارون پور) میں لکھا ہے کہ یہ قصبہ نانو نامی گوجر یا راجپوت کے نام پر موسوم ہے۔ نانوتہ کی قدیم تاریخ سے صرفِ نظر کر کے اگر صرف آخری دو صدیوں کی علمی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سرزمین نے جو لعل و جواہر پیدا کیے ہیں وہ قیامت تک نظروں کو خیرہ کرتے رہیں گے۔

حضرت نانوتویؒ کا خاندان نانوتہ کا رہنے والا ہے۔ خود انہوں نے تیرہویں صدی کے اواخر میں دیوبند کی سکونت اختیار فرمائی۔

حضرتؒ کا شجرۂ نسب یہ ہے :

مولانا محمد قاسم بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن ابوالفتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع ابن مولوی محمد ہاشم بن شاہ محمد ابن قاضی طٰہٰ ابن مفتی مبارک ابن شیخ امان اللہ بن شیخ جمال الدین ابن قاضی میراں بڑے ابن قاضی مظہر الدین بن نجم الدین ثانی ابن نورالدین رابع ابن قیام الدین بن ضیاء الدین بن نورالدین ثالث ابن نجم الدین بن نورالدین ثانی ابن رکن الدین بن رفع الدین بن بہاء الدین بن شہاب الدین ابن خواجہ یوسف بن خلیل بن صدرالدین بن رکن الدین السمرقندی ابن صدرالدین الحاج ابن اسمٰعیل شہید بن نورالدین القتّال ابن محمود بن بہاء الدین بن عبداللہ بن زکریا بن نورالدین سراج ابن شادی الصدیقی ابن وحید الدین مسعود ابن عبدالرزاق بن قاسم بن محمد بن سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وعنہم۔

آپ کے مورثِ اعلیٰ قاضی مظہر الدین المتوفی ۸۷۸ھ/۱۴۷۳ء خراسان سے ہندوستان آئے اور یہاں قضاء کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ ان کے فرزند قاضی میراں بڑے بلند پایہ عالم تھے۔ سلطان بہلول نے ان کو جاگیر اور نانوتہ کا منصبِ قضاء عطا کیا۔ مولوی محمد ہاشم عہدِ شاہجہاں میں دربارِ شاہی کے مقرب تھے۔ (تاریخ دیوبند ص ۱۲۰ تا ۱۲۲)

جس طرح حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بانی دارالعلوم کہنا اور ماننا ضروری ہے اسی طرح یہ جاننا اور ماننا بھی ضروری ہے کہ منجانب اللہ دارالعلوم کا ڈھانچہ حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ سے آج تک علومِ حضرت نانوتویؒ کا گھر بن گیا جو آج تک چلا آرہا ہے اور دنیا بھر میں یہ سلسلہ پھیل چکا ہے اللّٰهم تقبل وبارك وزد اور یہی حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شروع دن سے خواہش اور نیت تھی جزاہ اللّٰہ عنا خیر الجزاء۔

سلسلۂ اسناد :

مختصراً ہمارا علمی شجرہ اس طرح ہے :

''از حضرت مدنی قدس اللہ سرہٗ از حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ از حضرت اقدس مولانا نانوتوی قدس سرہٗ از حضرت شاہ عبدالغنی صاحب از حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب از حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہم اللہ''۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس طرح علم حاصل کیا کہ ۱۲۸۴ھ میں کنز الدقائق، میبذی، مختصر المعانی وغیرہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھ کر سالانہ امتحان دیا۔ آئندہ سال ہدایہ، مشکوٰۃ شریف، مقامات وغیرہ میں امتحان دیے۔ ۱۲۸۶ھ میں کتب

صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر زمانہ استاذ حجۃ اللہ البالغہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہم سے شروع کی۔ مولانا ممدوح میرٹھ میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں تصحیح کا کام کرتے تھے۔ پھر مطبع دہلی منتقل ہوگیا تو مولانا ممدوح بھی دہلی مقیم ہوئے اور کبھی کبھی دیوبند اور اپنے وطن نانوتہ بھی تشریف لے جا کر مقیم رہتے۔ حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) نے ان سب مقامات میں اکثر اپنے باکمال استاد کے ساتھ رہ کر دل و جان سے قابل رشک خدمت کر کے سعادت حاصل کی اور سفر و حضر میں سلسلۂ درس جاری رکھ کر استاد کی شفقت اور اپنی ذکاوت سے بکمال تحقیق کتابیں پڑھیں۔

حضرت میاں سیّد اصغر حسین صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ کیفیتِ درس تحریر فرماتے ہیں :

''مولانا کی خدمت میں سبق پڑھنا کچھ آسان کام نہ تھا عبارت میں غلطی کرنا یا ترجمہ سمجھنے کے خیال سے ٹھہرنا تو گویا گناہِ کبیرہ تھا۔ اس قسم کے اُمور اور بے موقع سوال سے مولانا مکدّر ہو جاتے اور سبق کا لطف ہی جاتا رہتا۔ جو شخص ذہین اور مستعد ہوتا اور اصل کتاب کو پہلے سمجھا ہوا ہوتا وہ مولانا کے مضامین سمجھنے کی اُمید کر سکتا تھا۔ اچھے اچھے ذی استعداد مولوی اس شرط پر شریک کیے جاتے تھے کہ صرف سنتے رہیں عبارت پڑھنے یا کچھ دریافت کرنے کا حق نہ ہوگا۔ لوگ خوشی سے قبول کرتے اور حاضر ہوتے۔

مولانا کا طرز ہی جدا تھا حدیث ہو یا منطق کلام ہو یا معانی ہر فن کے متعلق عجیب و غریب تحقیقات بیان فرماتے جس سے ہر مسئلہ کی انتہائی تحقیق اور اختلافات کی تطبیق بدیہی اور مشاہدہ کے طور پر ہو جاتی تھی اور اس قسم کے مضامین بیان فرماتے کہ کسی کے خیال میں آتے تھے نہ کسی نے سنے''۔

حضرتؒ کو قدرتی طور پر سعادتِ ازلی سے مولانا کے مضامین سے خاص مناسبت تھی اور اسی کے ساتھ طبع سلیم، ذہن رسا، حافظہ قوی یہ سب وجوہ مزید شفقت کا باعث تھیں اور سب سے بڑھ کر مولانا کی بصیرت اور نورِ فراست جس سے نظر آ رہا تھا کہ یہی شخص کمالاتِ قاسمی کا آئینہ ہوگا اور علومِ انبیاء کا وارث۔ اسی طرح رفتہ رفتہ ۱۲۸۹ھ تک حضرت نے تمام صحاح ستہ اور دیگر فنون کی اعلیٰ کتابیں مولانا کی خدمت میں ختم فرمائیں اور اسی زمانہ میں باوقات مختلفہ ادب کی بعض کتب اپنے والد ماجد سے اور حساب وغیرہ دیگر فنون کی کتابیں مدرسہ میں پڑھیں۔ علومِ عقلیہ و نقلیہ میں اعلیٰ استعداد حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوگئے اور بطور معین المدرسین درس دینے لگے۔

۱۹/ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ کے جلسہ دستار بندی اور اہلِ اسلام کے مجمع عام میں (بہ ہمراہی مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ و مولانا عبد الحق صاحب پوری سلّمہ وغیرہ) سند فراغ اور دستار فضیلت اکابر علماء اور خیار عباد اللہ کے دست حق پرست سے عطاء ہوئی۔ (حیات شیخ الہندؒ ص ۲۰)

۸۸۔۱۲۸۹ھ میں معین المدرسین کی حیثیت سے آپ نے دارالعلوم میں تدریس کا آغاز کیا (لیکن اس سال تک آپ حضرت نانوتوی قدس سرہ سے پڑھتے بھی رہے)۔ ۱۹/ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں جلسہ دستار بندی ہوا اس میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کا ۱۲۹۲ھ میں بحیثیتِ مدرس دارالعلوم تقرر ہوا مشاہرہ پندرہ روپے رکھا گیا۔ ۱۲۹۳ھ میں آپ کو ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف پڑھانے کے لیے دی گئیں ہر سال آپ ہدایہ وغیرہ سمیت نو کتابیں پڑھاتے رہے ہیں۔ ۱۲۹۵ھ میں آپ نے پہلی بار بخاری شریف بھی پڑھائی (حیات شیخ مصنفہ حضرت مولانا میاں سیّد اصغر حسین صاحبؒ دیوبندی ص ۲۱۔۲۲)۔

شوال ۱۲۹۴ھ میں حضرت نانوتوی وحضرت گنگوہی رحمہم اللہ کے ساتھ حج کے لیے روانگی ہوئی مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداداللہ صاحب قدس سرہٗ سے شرف حاصل ہوا اور مجاز ہوئے۔ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ میں دیوبند واپسی ہوئی لیکن واپسی کے سفر میں حضرت نانوتویؒ بہت علیل رہے۔ واپسی پر حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے دیودبند میں ہی قیام فرمالیا۔ اس لیے آپ کے استفادہ کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

اسی سال کے اخیر میں حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ (تھانوی) تحصیلِ علم کے لیے دیوبند تشریف لائے اور منجملہ اسباق کے ملاحسن اور معانی حضرت کے متعلق ہوئے اور اخیر زمانۂ تحصیل تک ہدایہ اخیرین، حمداللہ، میر زاہد، ملاجلال میر زاہد رسالہ اور چند کتبِ حدیث حضرت سے پڑھیں۔

حضرت اقدس نانوتویؒ کو سفر حج سے واپسی کے دوران جو شدید علالت پیش آئی تھی اس سے صحت ہوگئی تھی لیکن کھانسی کی شکایت رہ گئی تھی اور اس سے کبھی کبھی تنفس کا دورہ ہوجاتا تھا۔ ۱۲۹۷ھ میں ضیق النفس کے دورے کئی بار ہوئے جن سے ضعف بہت بڑھ گیا۔ اسی حالت میں اپنے استاذ محترم حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ کی عیادت کے لیے سہارنپور تشریف لے گئے اور ان کے ارشاد سے چودہ روز وہاں قیام فرمایا، وہیں مولانا نانوتویؒ کو تنفس کا شدید دورہ ہوا اور ساتھ ہی ذات الجنب بھی۔ آپ کو دیوبند واپس لے آیا گیا۔ پنجشنبہ ۴/جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ بعد نماز ظہر یکا یک رُوح مبارک پرواز کرگئی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

جناب حکیم مشتاق احمد صاحب رئیس نے شہر سے باہر مگر مدرسہ سے قریب اپنی مملوکہ زمین کا ایک قطعہ اُسی وقت وقف کیا اسی میں بعد نماز مغرب آپ کی تدفین ہوئی یہی خطہ آج جوارِ صالحین بنا ہوا ہے۔ تیسرے روز بروز شنبہ سہارنپور میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث قدس سرہٗ نے بھی وفات پائی۔

رضی اللہ عنہما مادہ تاریخ ہے ۱۲۹۷ھ (حیات شیخ الہندؒ ص ۲۶)

مجھے جناب حامد حسن صاحب پٹواری عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا تھا کہ وہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے دفن کے کام میں شریک تھے جب قبر کھودی جارہی تھی تو اُس میں مٹی میں سے خوشبو آرہی تھی یہ ان کا اپنا مشاہدہ تھا۔ ان سے ہماری رشتہ داری تھی اور یہ عثمانی خاندان میں معمر بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا حوالہ خاص طور پر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ وہ احمد رضا خاں صاحب کو بھی ٹھیک سمجھتے تھے۔

نوٹ : حضرتؒ کی وفات کا دن تو متعین ہے کہ پنجشبہ تھا، تقویم کے اعتبار سے یہ ۵؍جمادی الاولیٰ/ ۱۵؍اپریل ۱۸۸۰ء بنتی ہے۔ تاریخ وفات کے کلمات عجیب ہیں ایسے ہی حضرت مدنیؒ کی تاریخ وفات حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ نے نکالی تھی رضی اللہ عن حسین احمد۔ مرضِ فالج میں بڑے بڑے اکابر مبتلا ہوئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی کچھ عرصہ قبل مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اسی میں مبتلا ہو کر وفات پاگئے رحمہم اللہ۔ اس مرض کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ یہ داء الانبیاء یعنی انبیاء کرام کا مرض ہے۔ اس کی تفسیر کئی طرح ہو سکتی ہے مگر میں صرف روایت نقل کرتا ہوں۔ **حدثنا جریر عن لیث عن ابی ھبیرۃؓ قال الفالج داء الانبیاء** . (تذکرہ حضرت ربیع بن خثیمؒ، کتاب الزھد ص ۳۳۹ مطبوعہ بیروت)۔

آپ نے علم حدیث اس طرح حاصل کیا کہ فجر سے ظہر تک حدیثیں نقل کرتے اور ظہر کے بعد عصر تک حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ سے مکہ مکرمہ میں نقل کی ہوئی احادیث کی سماعت کرتے۔ آپ نے حدیث کی تمام کتابیں شاہ صاحبؒ سے اسی طرح پڑھیں۔ (تاریخ دارالعلوم حاشیہ ص ۱۰۶ ج ۱)

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز سے واپس آکر ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء میں مطبع احمدی دہلی میں قائم کیا۔ یہ مطبع ہندوستان میں سب سے پہلا مطبع ہے جس میں کتب حدیث طبع ہوئیں۔ ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء میں جامع ترمذی، ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء میں صحیح بخاری اور ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۴ء میں مشکوٰۃ المصابیح نہایت اہتمام سے شائع ہوئیں۔ بخاری شریف کے آخر کے پانچ یا چھ پاروں کا حاشیہ لکھنا حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہما کے ذمہ کیا جوانہوں نے باحسن وجوہ اعتراضات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جواب باحوالہ سمیت مکمل فرمایا۔ امام بخاریؒ نے مسلک حنفی پر اس حصہ میں بہت اعتراضات اُٹھائے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد یہ مطبع میرٹھ منتقل ہو گیا (تاریخ دارالعلوم ص ۱۰۷ و ۱۰۸ مع حاشیہ ج ۱)۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حاشیہ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں لکھا ہے (تاریخ دارالعلوم ص ۱۰۹ ج ۱)۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک اکیس سال تھی (تاریخ دارالعلوم ص ۱۱۲ ج ۱)۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کے سامنے سیاسی حالات تھے عربک کالج کا حال سامنے تھا اور کشف سے اندازہ ہوا ہوگا کہ یہاں انکا علمی سلسلہ جاری رہے گا اس لیے انہوں نے دارالعلوم کے لیے کچھ وصیتیں فرمائیں جن میں حکومت سے امداد کے بجائے توکل کی تلقین فرمائی ہے اور کچھ اصولِ کار بھی۔ ان سے آپ اُن کے ذہن مبارک کے تقدس کا بھی اندازہ لگائیں اور یہ بھی دیکھیں کہ دارالعلوم نے اِن پر کاربند ہو کر کتنی ترقی کی ہے۔ تاریخ دارالعلوم سے ہم یہ وصایا نقل کرتے ہیں۔

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں خیراندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(۲) ابقائے طعام طلبہ بلکہ افزائش طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیراندیشانی مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

(۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو اپنی بات کی پچ نہ کی جائے خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہلِ مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہوا تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائیگا۔ القصہ تہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو۔ اور اس لیے ضروری ہے کہ اہلِ مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنین یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل وجان قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم اُمورِ مشورہ طلب میں اہلِ مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیراندیش ہو اور نیز اس وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے اہلِ مشورہ سے مشورے کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہلِ مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہلِ مشورہ معترض ہو سکتا ہے۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خودبین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں۔ خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر مدرسہ کی خیر نہیں۔

(۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے۔ ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر

آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو۔ بالجملہ حسن نیت اہلِ چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ (تاریخ دارالعلوم ج ۱ ص ۱۵۳ و ۱۵۴)

وصیت ۶، ۷، ۸ کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور کبھی گورنمنٹ سے بھی گرانٹ نہیں لی گئی۔ دارالعلوم اور اس کے نقشِ قدم پر قائم ہونے والے مدارس **شجرةً طیبتاً اصلها ثابت وفرعها فی السماء** حضرت اقدس نانوتویؒ کے سالِ وصال کے ذیل میں آپ کا ذکر مبارک آیا۔

اب پھر بانی دارالعلوم حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق مدرسہ کے زمانہ تک کا سن وار حال تحریر ہے۔ اہم واقعات سن وار یہ ہیں :

۱۲۹۸ھ/ ۱۲۹۹ء میں جلسہ تقسیم انعام واسناد منعقد ہوا جو چند سال سے نہیں ہوسکا تھا۔

۱۳۰۲ھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کی ۳ ربیع الاول کو نانوتہ میں بمرضِ فالج وفات ہوئی (تقویم کے اعتبار سے یہ ۲۱ دسمبر ۱۸۸۲ء تاریخ بنتی ہے)۔

۱۳۰۶ھ میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ بقصد ہجرت مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور وہیں ۱۳۰۸ھ میں وفات پائی، تقریباً بیس سال فرائض اہتمام انجام دیئے تھے۔

اراکینِ شوریٰ نے حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالنے کی درخواست کی۔ آپ مجلس شوریٰ کے رکن تو شروع ہی سے تھے اور ۱۲۸۳ھ اور ۱۲۸۶، ۱۲۸۷ھ میں دو مرتبہ مہتمم رہ چکے تھے۔

صاحب تذکرہ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک اختلاف کی وجہ بھی ذکر کی ہے لیکن وہ اہلِ مدرسہ سے نہ تھا کچھ لوگوں سے تھا مگر وہ لوگ مدرسہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس اختلاف کے بعد حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کی ہجرت کا زمانہ بنتا ہے۔ (جاری ہے)

سلسلہ نمبر۶ قسط : ۱۰

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب ویکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظرثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب :

''حضرت مولانا رفیع الدین صاحب وہی بزرگ ہیں جنہوں نے خواب میں جنابِ رسالت مآب ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپ نے عصاء مبارک سے عمارت کا نقشہ کھینچ کر بتلایا۔ چنانچہ اسی کے مطابق نو درے کی عمارت کی بنیاد کھدوا کر تعمیر کی گئی''۔ (ملخصاً از تاریخ دیوبند ص ۱۸۵ ج۱)

تذکرۃ العابدین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کافی عرصہ اہتمام کرنے کے بعد مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی، ان کی ہجرت ۱۳۰۶ھ میں ہوئی۔

حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کو اہلِ شوریٰ نے پھر مہتمم بنایا۔ اس کا اشتہار شائع کیا گیا۔ صاحبِ تذکرہ کہتے ہیں کہ ہم اس اشتہار کو بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔ وھو ھذا :

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہ اللّٰہ الذی باسمہ تتم الصالحات وتنزل للبرکات ونصلی ونسلم علی سیّد الکائنات علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ افضل الصلٰوۃ واکمل التحیات .

امابعد! گزارش یہ ہے کہ جناب مولوی رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ عربی اسلامی دیوبند بعزمِ حج راہی مکہ معظّمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً ہوگئے چونکہ اہتمام مدرسہ کا کارِ عظیم الشان ہے اور سبب انتظام ایک مجمع کثیر کے مختلف جزئیات پر مشتمل ہے۔ مثل انتظام اسباق ونگرانی ترقی خواندگی وخبرگیری خوراک وپوشاک طلبہ مسافر ودرستی حساب آمد وصرف مدرسہ وغیرہ اُمور چند صد طلبہ ومدرسین جن کی تفصیل متعذر ہے لہٰذا جملہ خیر خواہانِ مدرسہ کو بسبب ِ روانگی مولوی صاحب موصوف نہایت تشویش پیش آئی۔ ناچار بجز اِس تجویز کے کوئی چارہ نہ بن پڑا کہ مجتمع ہوکر بخدمت بابرکت حضرت سیّد محمد عابد صاحب جو بانی ومجوز اول مدرسہ ہٰذا وحامی وسرپرست وسرآمد اربابِ مشورہ ہیں اور اول ایک عرصہ دراز تک مہتمم مدرسہ رہے ہیں اور جب جناب موصوف الصدر حج کو تشریف لے گئے تھے اُس وقت مولوی رفیع الدین صاحب بجائے اُن کے کارِ اہتمام منسوب ہوئے تھے اور تمام زمانۂ اہتمام میں مولوی صاحب جملہ اُمور مثل جانچ وپڑتال حساب وکتاب ماہواری مدرسہ بلکہ کارہائے روزمرہ حسب ہدایت ومشورہ وشرکت جناب حاجی صاحب انجام دیتے تھے۔ الغرض ابتداء اجراء مدرسہ سے اِس وقت تک جس قدر امور مدرسہ سے واقفیت حضرت جناب حاجی صاحب کو ہے اس قدر اور کسی کو نہیں ، یہاں تک کہ مولوی صاحب کو بھی نہ تھی۔ حاضر ہوکر ملتجی ہوئے کہ جناب والا پھر اس کام کو انجام دیں کیونکہ یہ مدرسہ تو آپ ہی کا ہے۔

ع اے بادصبا ایں ہمہ آوردۂ تست

بحمداللہ کہ سیّد صاحب ممدوح نے بنظر حمایت دین متین وخوشنودی رب العالمین وخرسندی رُوح پر فتوح حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم واٰلہ واصحابہ اجمعین اس عرض کو قبول فرمایا: جزاء اللہ تعالٰی خیر الجزاء وشکر مساعیہ۔ لہٰذا بخدمت جملہ ارباب چندہ واہلِ ہمت جو باعطائے زروغیرہ مدرسہ کی اعانت فرماتے ہیں نیز ان بزرگوں کی جناب میں جو مدرسہ سے مراسلت فرماویں عرض ہے کہ آئندہ جملہ مکاتبت بنام نامی حضرت سیّد صاحب موصوف فرماتے رہیں ۔ اور دوسرا امر واجب العرض یہ ہے کہ بملاحظہ رجسٹر چندہ واضح ہوا کہ بہت سے ارباب چندہ کی طرف بقایا سال گزشتہ

وسنین ماضیہ برابر چلی آتی ہے لہٰذا ان کی خدمت عالیات میں گزارش ہے کہ بنظر تائید دین متین وبقاوترقی مدرسہ براہ کرم جلد بقایا ادا فرماویں تاکہ انتظام مدرسہ میں خلل نہ پڑے کیونکہ اس کارخانہ خیر کا مدار صرف اعانت وامداد اہلِ خیر پر ہے۔ **ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین**۔ المرقوم ۲۳ر جمادی الاول ۱۳۰۶ھ (مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

العبد رشید احمد گنگوہی	العبد محمد ضیاء الدین رامپوری	العبد مشتاق احمد دیوبندی
العبد ذوالفقار علی دیوبندی	العبد محمد فضل الرحمٰن دیوبندی	العبد محمد فضل حق دیوبندی

(تذکرۃ العابدین ص ۷۴ و ۷۵ ج ا)

۱۳۰۷۔۱۳۰۸ھ حضرت شیخ الہندؒ صدر مدرسین بنادیے گئے۔

۱۳۰۹ھ کی رُوداد میں تعلیمی نتائج کی نسبت لکھا ہے کہ ۲۷ سال کی مدت میں ۲۳۴ عالم اور ۸۱ حافظ فارغ ہو چکے ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم از ص ۱۹۲ تا ص ۲۰۱ ج ۱)

۱۳۱۰ھ میں حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کی غیر معمولی مصروفیات کی وجہ سے اہتمام میں تغیر کرنا پڑا۔ رُوداد میں لکھا ہے کہ :

''چونکہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب مدظلہ العالی کو بوجہ ہجوم خلق اللہ جو ان کی خدمت بابرکت میں نزدیک ودُور سے جوق در جوق واسطے دعاء حل مشکلات ودفع امراض کے شبانہ روز حاضر ہوتے ہیں اور حضرت ممدوح بوجہ شفقت واخلاق حسنہ کسی کا ناکام جانا پسند نہیں فرماتے اس قدر فرصت نہیں ملتی کہ اُمور اہتمام میں زیادہ وقت صرف فرماسکیں لہٰذا حضرت ممدوح نے یہ مناسب سمجھا کہ حاجی فضل حق صاحب کو اہتمام کا کام سپرد فرمادیں اور خود ان کے کاموں کی نگرانی فرماتے رہیں اہلِ شوریٰ نے بخیال تخفیفِ تصدیعِ حضرت موصوف، اس کو تسلیم کیا اس لیے باتفاق اہلِ شوریٰ قرار پایا کہ حاجی فضل حق صاحب مہتمم مقرر ہوں''۔ (تاریخ دارالعلوم از ص ۱۸۶ تا ص ۲۰۲ ملخصاً)

تذکرۃ العابدین میں ہے :

''بعد اشتہار کے حضرت حاجی صاحب اہتمام مدرسہ مذکور کا کرتے رہے مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد باہم ایسے قصے اور جھگڑے پیش آئے آپ نے ہر دو کے اہتمام سے استعفادے دیا اور خود پیرانِ کلیر شریف بحضور مخدوم صاحب چلے گئے۔ مگر اہلِ شوریٰ نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا اور پہنچے اور عرض کیا کہ آپ اہتمام جس کو چاہیں سپرد کردیں مگر مدرسہ کے سرپرست رہیں اس وقت آپ

نے بمشورۂ اہل شورٰی منشی فضل حق صاحب کو کہ جو مرید خاص مولوی محمد قاسم صاحب و رفیقِ خاص اہلِ شورٰی تھے مہتمم کیا اور خود بھی اہلِ شورٰی میں برائے مزید احتیاط شامل رہے''۔(ص ۷۶ ج ۱)

تذکرۃ العابدین میں ہے :

''بعد چند روز کے آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور ماہِ رجب میں بہت بڑے قافلہ کے ساتھ مع صاحبزادگان و پیرجی محمد انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ احقر کو چھتہ کی مسجد میں رہنے کا حکم دیا۔آپ کے تشریف لے جانے کے بعد مسلمانان دیوبند جامع مسجد میں جمع ہوئے کہ حاجی صاحب حج کو تشریف لے گئے کچھ جامع مسجد کا انتظام کیا جاوے چنانچہ متفق الرائے یہ بات قرار پائی کہ چند شورٰی کیے جاویں اور منشی فضل حق صاحب مہتمم کیے جاویں تا آنے حضرت حاجی صاحب۔ جب وہ آجاویں جیسا مناسب سمجھیں کریں چنانچہ اسی مضمون کی ایک تحریر لکھی گئی اور سب مسلمانوں کے اس پر دستخط ہوئے۔

بعد چند روز کے پھر مدرسہ میں جھگڑا ہوا اور وہ فساد حاجی صاحب کے تشریف لانے تک رفع نہ ہوا، آخر کار آپ قطعی مدرسہ کے کاروبار سے علیحدہ ہوگئے اور فرمایا کہ اب للّٰہیت نہ رہی بلکہ نفسانیت آگئی فقیر کو ان باتوں سے کیا غرض، پھر آپ نے اپنے ہاتھ میں مدرسہ کا انتظام نہیں لیا۔(تذکرہ ص ۷۶ ج ۱)

شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا ہے :

''دارالعلوم میں جب داخل ہوا تو اہتمام جناب حاجی عابد حسین صاحب مرحوم کا تھا تھوڑے عرصہ کے بعد جناب منشی فضل حق صاحب مرحوم مہتمم مقرر کیے گئے اور حضرت حاجی صاحب مرحوم مذکور الصدر بمنزلہ صدر مہتمم و رُکن مجلس شورٰی اُن کے نگہبان ہوگئے''۔(نقش حیات ص ۴۸ ج ۱)

اگر اس طرف نظر ڈالی جائے کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب کے دورِ اہتمام میں کون کون حضرات داخل ہوئے اور فارغ ہوئے تو نظر آئے گا کہ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز سے حضرت اقدس مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ تک ان کے زمانہ میں فارغ یا داخل ہوئے۔اس طرح گویا ان کا دورِ اہتمام بڑی برکات کا حامل رہا ہے۔ **رحمهم الله جميعا.**

دارالعلوم کی مجلس شورٰی کی رکنیت کے علاوہ تین مرتبہ اہتمام آپ کے سپرد ہوا۔

پہلی مرتبہ یوم تاسیس سے ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء تک

دوسری مرتبہ ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء سے ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء تک

اور تیسری مرتبہ ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء تک

آپ کے زمانۂ اہتمام کی مجموعی طور پر مدت دس سال ہوتی ہے ۔(تاریخ دیوبند ص ۴۸۱ و تاریخ دارالعلوم ص ۲۲۵ ج ۲)

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں جب حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ اہتمام سے مستعفی ہوئے تو یکے بعد دیگرے دو مہتمم مقرر ہوئے مگر ایک ایک سال سے زیادہ اہتمام نہ کر سکے ۔ ہر سال کے تغیرات کی وجہ سے دارالعلوم کے نظام میں اختلال پیدا ہونے لگا تو ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے ظلّ ہمایوں نے اہتمام کے لیے حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے مولانا حافظ محمد احمد صاحب کا انتخاب فرمایا۔ آپ حضرت شیخ الہندؒ کے استادزادے تھے اور شاگرد بھی تھے ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے ترمذی شریف کے کچھ اسباق پڑھے اور دورۂ حدیث گنگوہ میں حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ سے پڑھا۔ وہیں جلالین اور بیضاوی پڑھی ۔ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء میں بحیثیت مدرس دارالعلوم میں تقرر ہوا اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی بلکہ زمانۂ اہتمام میں بھی صحیح مسلم ، ابن ماجہ ، مشکٰوۃ ، جلالین ، مختصر المعانی ، رسالہ میرزاہد وغیرہ کتابیں نہایت شوق سے پڑھاتے رہے ۔ ۱۳۱۳ھ سے ۱۳۴۷ھ تک آپ کا دور اہتمام رہا رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ (ماخوذ از تاریخ دیوبند ص ۴۸۶)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس اختلاف کا ذکر جو مدرسہ کے بعض حضرات سے تھا کہیں کہیں تحریرات میں ملتا ہے مثلاً حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ''اشرف السوانح'' میں تحریر ہے :

''حضرت والا بھی اتنا ادب ولحاظ فرماتے تھے کہ جس زمانۂ میں حاجی صاحب سے مدرسہ دیوبند کے بعض حضرات کو کشیدگی ہوگئی تھی حضرت والا کا اتفاق دیوبند تشریف لے جانے کا ہوا۔ پرانے تعلقات کی بناء پر حضرت والا کے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ حاجی صاحب سے نہ ملا جائے ۔ ادھر اپنے حضرات اساتذہ کا لحاظ بھی ضروری تھا ۔ حضرت والا کو سخت کشاکشی پیش آئی بالآخر ہمت کر کے حضرت مولانا محمود حسنؒ سے باادب عرض کیا کہ حضرت پرانے تعلقات کی بناء پر میں جب کبھی دیوبند حاضر ہوتا ہوں حضرت حاجی سیّد محمد عابد صاحبؒ کی خدمت میں بھی ضرور حاضری دیا کرتا ہوں ۔ اب کی مرتبہ بڑی کشمکش میں مبتلا ہوں اگر حاضر نہیں ہوتا تو سخت بے مروتی اور بیوفائی سی معلوم ہوتی ہے اگر حاضر ہوتا ہوں تو ممکن ہے مدرسہ کی مصالح کے خلاف ہو۔ مولانا نے فرمایا نہیں نہیں ضرور جاؤ مصالح کے خلاف نہیں بلکہ اس میں مدرسہ کی یہ مصلحت ہے کہ ان کی مخالفت کم ہوگی'' ۔(اشرف السوانح ص ۱۴۹)

یہ مخالفت یا ناراضگی جس قسم کی بھی تھی خفیف ہی تھی کیونکہ حضرت تھانویؒ کے تعلق یا عقیدے میں کوئی فرق نہیں

آیا تاحیاتِ حضرت حاجی صاحبؒ بلکہ بعد الوفات بھی اسی طرح قائم رہی اور تعلقات بھی۔ اشرف السوانح میں تحریر ہے :

''حضرت والا کو طالب علمی کے زمانہ میں بکثرت شرف زیارت حاصل ہوتا رہتا تھا کیونکہ اکثر حضرت والا چھتہ والی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے جہاں حاجی صاحب کا زیادہ تر قیام رہتا تھا اسی مسجد میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب [1] بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور امامت بھی فرماتے تھے مولاناؒ کی عدم موجودگی میں حاجی صاحب امامت فرماتے تھے اور اوقات کثیرہ میں بجائے خود امامت کرنے کے حضرت والا ہی سے نماز پڑھواتے۔ اس سے حضرت والا کے ساتھ حسن ظن کا اندازہ فرمالیا جائے۔

نیز حاجی صاحب کا معمول تھا کہ رمضان شریف میں افطاری کا بڑے پیمانہ پر انتظام فرماتے اور سب کو تقسیم فرماتے اور یہی معمول مکہ معظّمہ کے قیام میں بھی رکھا۔ اسی زمانہ میں حضرت والا بھی مکہ معظّمہ میں مقیم تھے افطار کے وقت حرم شریف میں جس جگہ حضرت والا ہوتے حاجی صاحب حضرت والا کے افطاری کا حصہ وہیں بھیجتے اس سے خصوصیت کا اندازہ فرمالیا جائے۔ (اشرف السوانح ص ۱۴۹)

نیز تحریر ہے :

''حضرت حاجی سیّد محمد عابد صاحب دیوبندی شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کے مجازین خاص میں سے تھے اور عملیات میں خصوصیت کے ساتھ شہرہ آفاق تھے۔ کچھ دن مدرسۂ دیوبند کے مہتمم بھی رہے اس درجہ پابند معمولات واوقات تھے کہ ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ جاننے والا ہر وقت یہ بتا سکتا ہے کہ اس وقت حاجی صاحب فلاں کام میں مشغول ہوں گے اور اگر کوئی اس وقت جا کر دیکھے تو ان کو اسی کام میں مشغول پائے۔ کبھی اس کے خلاف نہیں ہوسکتا''۔ اھ (تاریخ دیوبند ص ۴۸۰ بحوالہ اشرف السوانح ص ۱۴۹ ج ۱)

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی زیروبم میں لکھا ہے ۔

عامل کامل ، ولی ، مرد خدا پائے او بر پائے فخر انبیا

آپ عامل کامل ولی اور مرد خدا تھے۔ آپ کا قدم فخر انبیاء (ﷺ) کے نقشِ قدم پر تھا۔

ہم جمالی ہم جلالی شان او کان حلم و مخزن خُلق نکو

[1] حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ المتوفی ۱۳۰۲ھ بھی حاجی محمد عابدؒ کے ساتھ مسجد چھتہ کے حجرے میں قیام رکھتے تھے اور جب حضرت نانوتوی رحمہم اللہ دیوبند تشریف لے آئے تو انہوں نے بھی اسی مسجد کے ایک حجرے میں قیام اختیار فرمایا جیسا کہ تاریخ دیوبند میں ص ۲۹۰ پر تحریر ہے۔

آپ کی شان جمالی بھی تھی اور جلالی بھی حلم کی کان تھے اور نیک خصلتوں کا خزانہ تھے۔

نقش و تعویذش مثال نقش قدر فیض او بر خاص و عامی مثل بدر

آپ کا نقش و تعویذ ایسا ہوتا تھا جیسا کہ تقدیر کا لکھا۔ آپ کا فیض ہر خاص و عام پر چاند کی روشنی کی طرح عام تھا۔ (تاریخ دیوبند ص ۱۱۱)

دیوبند کے لوگوں کو آپ سے کمال درجہ عقیدت تھی۔ دیوبند کے مسلمانوں میں شاید ہی کوئی بچہ ہوگا جس کے گلے میں آپ کا تعویذ نہ ہوتا ہو۔ (تاریخ دیوبند ص ۱۱۱)

کیونکہ حاجی صاحب بڑے درجہ کے پیر بھائی تھے اس لیے حضرت والا نے حالات ہیبت کے طریان کے زمانہ میں اپنے اشکالِ باطنی کے متعلق بھی مشورہ لیا تھا جس کے جواب شافی ملنے پر حضرت والا کو اس کا اعتقاد ہو گیا کہ حاجی صاحب علاوہ عملیات میں ماہر ہونے کے شیخ محقق بھی ہیں۔ اس کا مفصل ذکر انشاء اللہ باب بیعت و استفاضۂ باطنی میں آئے گا۔ (اشرف السوانح ص ۱۴۹ و ۱۵۰، مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ دہلی)

''حضرت والا کی تواضع اور صدقِ طلب بھی قابل صد ہزار آفریں ہے کہ اپنے کو بعد تکمیل بھی کبھی بزرگوں سے مستغنی نہیں سمجھا جب بھی ضرورت پیش آئی بلا ادنیٰ تامل علاوہ اپنے پیر و مرشد کے اپنے بڑے رتبہ کے پیر بھائیوں سے بھی عرض حال کرتے رہے اور مشورے لیتے رہے چنانچہ علاوہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز کے حضرت حاجی سیّد محمد عابد صاحب دیوبندی سے بھی جو حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفۂ مجاز تھے اس حالت کو ظاہر کیا۔ سیّد صاحب نے بھی حال سن کر حضرت والا کی بہت تسلی فرمائی اور فرمایا کہ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ خطرات قلب میں داخل نہیں ہو رہے بلکہ خارج ہو رہے ہیں جیسے اگر چور گھر کے اندر چوری کرنے کے لیے گھسے تب بھی دروازہ پر نظر آتا ہے اور گھر والوں کے جاگ پڑنے کے بعد بھاگنے لگے تب بھی دروازہ ہی سے گزرتا ہوا نظر آتا ہے اھ''۔

''اس قول کو نقل فرما کر حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ میں پہلے حاجی محمد عابد صاحب کو بزرگ تو سمجھتا تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ شیخ اور مربی باطن اس درجہ کا نہ سمجھتا تھا لیکن اس ارشاد کو سن کر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ اور مربی کامل درجہ کے تھے''۔ (اشرف السوانح جلد اول باب سیزدہم ص ۲۴۸ و ص ۱۵۰)

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ جزاء الاعمال میں تحریر فرمایا ہے :

''اس وقت بھی بفضلہٖ تعالیٰ اس قسم کے علماء بہت ہیں اور ہمیشہ رہیں گے جیسا کہ ہمارے سردار اکرم ﷺ کا وعدہ ہے **لایزال طائفة من اُمتی منصورین علی الحق لایضرهم من خذلهم** ،مگر ہم چند بزرگوں کا نام تبرکاً اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں تاکہ غیر مذکورین کو مذکورین پر قیاس کرسکیں اور جن کی ایسی ہی شان ہوان کی صحبت سے مستفید ہوسکیں۔

مکہ معظّمہ میں حضرت سیّدی مرشدی مولانا الحاج الشیخ محمد امداد اللہ صاحب دامت برکاتہم، گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم، سہارنپور میں جناب مولانا ابوالحسن صاحب مہتمم جامع مسجد سہارنپور، دیوبند میں جناب مولانا محمود حسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ دیوبند، حضرت حاجی محمد عابد صاحب مقیم مسجد چھتہ دیوبند، انبالہ میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب دامت برکاتہم۔ ایسے بزرگوں کی صحبت وخدمت جس قدر بھی میسر ہوجائے غنیمت کبریٰ ونعمتِ عظمٰی ہے اگر ہر روز ممکن نہ ہو تو ہفتہ میں آدھ گھنٹہ ضرور التزام کرے اسکے برکات خود دیکھ لے گا۔

اس رسالہ پر نظرِ ثانی کے دوران حاشیہ تحریر فرمایا ہے :

افسوس اس وقت ان حضرات میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ۱۲۔اشرف علی (جزاء الاعمال ص ۵۰ و ۵۱)

(جاری ہے)

❁❁❁

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ (جبکہ انھوں نے کعبہ کے دروازے کو پکڑا ہوا تھا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے میرے اہلِ بیت کی مثال تم میں اس طرح ہے جس طرح نوح علیہ السلام کی کشتی تھی اس میں جو سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا ہلاک ہوگیا۔(رواہ احمد)

❁❁❁

"الحامد ٹرسٹ" نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظرِ ثانی و عنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

اتباعِ سنت :

ظاہر ہے کہ جن حضرات سے آپ نے فیض حاصل کیا تھا اور جن علماء کبار و اساطین اُمت کے ساتھ آپ کا ہر وقت ملنا جلنا تھا وہ سب متبع سنت تھے آپ اُن ہی کی طرح اتباعِ سنت پر زور دیتے اور تلقین فرماتے تھے حتی کہ احوالِ سلوک میں بھی اسی طرح ہدایات جاری فرماتے اور اتباعِ سنت کو غلبۂ حال میں بھی تلقین فرماتے۔

تاریخ دارالعلوم میں ہے :

ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ مریدین میں حاجی محمد انور دیوبندی نے نفس کشی کے طور پر کھانا پینا قطعاً ترک کر دیا ہے آپ نے بتاکید اُن کو لکھا کہ "یہ امر سنت کے خلاف ہے بطریق مسنون کھانا پینا ضرور چاہیے خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو"۔ (ص ۲۲۳ ج ۲)

معمولات شب و روز :

تاریخ دارالعلوم میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے معمولات اس طرح تحریر ہیں :

''حضرت حاجی صاحب کا ۶۰ برس تک چھتہ کی مسجد میں قیام رہا، مشہور ہے کہ ۳۰ سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی نماز تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ساٹھ سال تک قضاء کی نوبت نہیں آئی۔ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے رشد و ہدایت اور تذکیر و تزکیۂ قلوب کے علاوہ آپ کو ''فن عملیات'' میں زبردست ملکہ حاصل تھا لوگ دور دور سے تعویذات و عملیات کے لیے حاضر ہوتے اور دامنِ اُمید کو ہر مراد سے بھر کر لوٹتے تھے۔ مختلف کاموں کی کثرت کے باوجود ضبط اوقات کا بے حد التزام تھا اور ہر کام ٹھیک اپنے وقت پر انجام پاتا تھا آخر شب میں بیدار ہوتے نماز تہجد اور اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر فجر کی نماز چھتے کی مسجد میں ادا فرماتے، نماز کے بعد تلاوت فرما کر حجرے سے باہر تشریف لاتے بیعت کے خواہشمندوں کو بیعت کرتے تعویذات کے طالبین کو تعویذ دیتے دوپہر تک یہ سلسلہ جاری رہتا بعد ظہر متوسلین طریقت حاضر ہوتے اُس وقت ذکر و شغل ہوتا اور عصر تک جاری رہتا بعد مغرب ختم خواجگان کا معمول تھا عشاء کے بعد اول وقت سو جاتے تھے۔ تعویذات کے ضرورت مند بعض اوقات حد سے زیادہ پریشان کرتے مگر اخلاق و تواضع کا یہ عالم تھا کہ کبھی ترش رُو ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ اتباعِ سنت کا غایت اہتمام تھا اُن کا مقولہ ہے کہ بے عمل درویش ایسا ہے جیسے سپاہی بے ہتھیار، درویش کو چاہیے کہ اپنے آپ کو چھپانے کے لیے عامل ظاہر کر دے۔

وہ طریقۂ چشتیہ صابریہ کے بزرگ اور زہد و ریاضت کا مجسمہ تھے۔'' (تاریخ دارالعلوم ص ۲۲۲ ج ۲ و تاریخ دیو بند ص ۴۷۸)

تاریخ دارالعلوم ہی میں تحریر ہے :

''اوقات و معمولات کے ضبط و نظم کا بڑا اہتمام رکھتے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جاننے والا ہر وقت یہ بتا سکتا ہے کہ اس وقت حاجی صاحبؒ فلاں کام میں مشغول ہوں گے اگر کوئی جا کر دیکھے تو اُسی کام میں اُن کو مشغول پائے گا۔ (ص ۲۲۴ ج ۲)

تذکرۃ العابدین میں ہے :

گر چہ حضرت حاجی صاحب کو مدرسہ و مسجد کا کاروبار رہا مگر اوقات کے ہمیشہ اس طرح پابند رہے کہ ایک بجے شب کے اُٹھنا اور ورد و معمول میں مشغول رہنا اور پھر مکان سے آکر اول وقت صبح کی نماز جماعت سے پڑھ کر حجرے میں آٹھ بجے تک رہنا۔ بعدہٗ باہر آکر مخلوق خدا کو فیض پہنچانا اس میں جو کوئی خواستگار بیعت کا ہوا بیعت کیا تعویذ کے خواہاں کو تعویذ دیا اور ذکر اشغال دریافت کرنے والے کو ذکر اشغال بتائے، اِس وقت میں آپ کے پاس مدام مجمع کثیر رہتا تھا۔ ہر ادنی واعلیٰ کا اسی وقت کام کر کے فارغ ہو جاتے تھے اگر کسی کا زیادہ کام ہوا تو فرمادیا کہ ٹھہرو چنانچہ آپ کے ہاں مہمانداری کی بہت کثرت رہتی تھی اور ہر مہمان کی اچھی طرح خاطر تواضع ہوتی تھی آپ کا فقط توکل پر گزر تھا اسی طرح آپ کو ساٹھ برس چھتہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے ہو گئے کبھی نماز آپ کی قضا نہیں ہوئی بلکہ سوائے چھتہ کی مسجد کے اور کہیں نہیں ادا کرتے تھے سوائے بیماری کے جیسے اب کئی سال سے بیمار تھے۔ [1]

جو وقت جس کام کا آپ نے مقرر کیا تھا وہ کام اُسی وقت پر ہوتا تھا پیشتر جو وقت اہتمام مدرسہ و جامع مسجد کا تھا اُسی وقت پر کرتے تھے بعد نماز ظہر بابِ فیض وا ہوتا تھا اور ہر ادنی واعلیٰ اپنے اپنے مطالب و مقاصد میں کامیاب ہوتے تھے بعد نماز مغرب نوافل و ختم خواجگان وغیرہ سے فراغ حاصل کر کے جو کوئی مرید یا مہمان ہو اُسی سے باتیں کرتے تھے۔ سابق میں تو آپ ہمیشہ جمعرات و پیر کو حلقہ کرتے تھے مگر اب بوجہ ضعف کے نہیں ہوتا تھا اور کچھ یہ بھی سبب ہو گیا تھا کہ پیر جی محمد انور صاحب آپ کے بڑے خلیفہ پیر و جمعرات کو حلقہ کرتے تھے لوگ وہاں جمع ہوتے تھے عشاء سے پہلے کچھ کھانا کھاتے تھے اور بعد نماز عشاء مکان کو تشریف لے جاتے تھے اور جو مستورات آپ کے مکان پر جمع ہوتی تھیں اُن کا کام کرتے تھے اور قریب گیارہ بجے کے سوتے تھے اور اگر کوئی آسیب زدہ آگیا تو قریب بارہ بجے کے سوتے تھے پیشتر ایسے عمل قبل عشاء کرتے تھے چونکہ ایک مرتبہ آپ ایک جن سے کچھ گفتگو کرنے لگے نماز عشاء میں کچھ دیر ہوئی جماعت کے واسطے آدمی منتظر رہے اُسی روز سے ایسے عمل بعد عشاء کرتے تھے۔ (تذکرہ ص ۷۷)

''اور قصہ آسیب زدہ کا اس طرح ہوا تھا کہ ایک رسالدار مع اپنی اہلیہ کے خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ میری زوجہ بارہ برس سے بیمار ہے صدہا طرح علاج کیے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کوئی

[1] اس زمانہ میں مکان کے قریب مسجد میں نماز ادا فرما لیتے ہوں گے مکان سے مسجد چھتہ تک ڈھائی تین فرلانگ کا فاصلہ ہے۔

آسیب بتاتا ہےاور کوئی کچھ بیماری بارہ برس سے صورت حمل بھی اس طرح سے نمایاں ہے کہ گویا چار ماہ کی اُمید ہے دائی بھی کہتی ہے کہ ضرور حمل ہے آپ اس کا علاج کر دیجئے آپ نے فرمایا ٹھہرو انشاءاللہ شب کو بعد مغرب ان کا بندوبست کیا جاوے گا۔

بعد مغرب آپ نے ایک نقش حاضر ہونے جنات کا روشن کیا اوراس عورت کے روبرورکھوادیا نقش کا روشن کرنا تھا کہ آندھی اس زور سے آئی کہ سب گھبرا گئے یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام مکان گر جائیں گےاور چھپر ٹوٹے جاتے ہیں مگر نقش روشن رہا۔

تھوڑی دیر بعداس عورت (کے جن) نے بڑی قہرآمیز آواز سے کہا کہ مجھ کو کیوں طلب کیا ہے تم مجھ کونہیں جانتے کہ میں جنوں کا امیر ہوں اور میرے ساتھ بہت بڑالشکر ہے میں ابھی جو چاہوں کر ڈالوں۔

حاجی صاحب نے بمتانت فرمایا کہ یہ سب درست ہے آپ کو اس واسطے بلایا ہے کہ آپ اس عورت کو کیوں ستاتے ہیں جو کچھ اس سے قصور ہوا ہو معاف کردو۔جواب دیا ہرگز نہیں آپ انصاف نہیں کرتے کہ اس عورت نے میرے اوپر کس قدر ظلم کیا ہے کہ میرے بارہ برس کے لڑکے کو اس نے مارڈالا ہے۔

حاجی صاحب نے فرمایا کیونکر؟ کہا کہ میرا لڑکا اکثر بلی کی صورت میں سیر کرتا ہوا پھرا کرتا تھا ایک روز اس کے گھر چلا گیا اس کا طوطا اس کو دیکھ کر بھڑ کا اس عورت نے اس کو مارڈالا۔اس روز سے مجھ کو اس پر غصہ ہے مگر مسلمان جان کر زیادہ تکلیف نہیں دی۔حاجی صاحب نے کہا کہ آپ اس کا قصور معاف کردیں۔کہا ہرگز نہیں اور پھر غصہ ہو کر کہا کہ حاجی صاحب آپ مجھ کو رخصت کیجئے میں جماعت سے محروم رہ جاؤں گا۔حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں بھی نماز کو جاؤں گا،آپ مسلمان ہیں اور یہ بھی مسلمان ہے آپ اس کا قصور معاف ہی کردیں بشر سے غلطی بھی ہو جاتی ہے کہا اچھا آپ کے فرمانے سے معاف کیا۔

نقش گل کردیا اور آپ نماز کو چلے گئے بعد نماز یہ قصہ اس عورت سے دریافت کیا تو اس نے کہا واقعی یہی بات ہے علی الصباح وہ عورت تندرست ہو کر اپنے مکان پر واپس گئی اور بعد چھ ماہ کے اس کے لڑکا پیدا ہوا تو وہ شیرنی لے کر دیوبند آئی اور حاجی صاحب سے ہر دو مرد و زن بیعت ہوئے۔ایسے قصے بہت سے ہیں۔'' (تذکرۃ العابدین ص۸۱ ج۱)

تذکرۃ العابدین میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے حضرت حاجی صاحب کے استغناء واستقامت پر روشنی پڑتی ہے :

''اجمیر شریف ہی میں حکیم محمد حسن ومولوی امیرالدین صاحب نواب جونہ گڑھ کی طرف سے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ نواب صاحب آپ کے تشریف لانے جونہ گڑھ کے متمنی ہیں حضور وہاں تشریف لے چلیں، آپ نے انکار کردیا۔ مگر بہت عرض معروض پر آپ نے فرمایا اس طرح پر چلتا ہوں کہ جہاں میری طبیعت چاہے وہاں ٹھہروں اور جب چاہوں چلا آؤں اور تعظیم وتکریم کچھ نہ ہو۔ ہر دو صاحب نے وعدہ کیا اور نواب صاحب کو تار دے دیا گیا کہ اس وعدہ پر آنا چاہتے ہیں چنانچہ نواب رسول بخش نے بھی جواب تار میں وعدہ کیا اس وقت آپ جونہ گڑھ تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں جا کر ٹھہر گئے جب نواب صاحب کو خبر ہوئی انہوں نے عرض کر کے بھیجا کہ آپ کے واسطے ایک ایسا مکان تجویز پہلے سے کردیا ہے کہ جس میں سب طرح کا آرام ہے اور سامنے اس کے مسجد بھی ہے آپ نے فرمایا کہ فقیر تو مسجد ہی میں ٹھہرا کرتا ہے۔ مگر جب سب نے عرض کیا تو آپ مکان میں چلے گئے نواب صاحب ملنے کے واسطے آئے علاوہ اور عرض معروض کے یہ بھی کہا کہ تین سو روپے میں روز خدمت عالی میں بھیجا کروں گا حضور فقراء کو تقسیم کردیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس میں میری بدنامی ہے کہ نواب کا پیر آیا اور کچھ تقسیم نہ کیا چنانچہ وہ تین سو روپے یومیہ بھیجتے تھے اور فقراء کو تقسیم کردیئے جاتے تھے اور ہر وقت ایک ہجوم بہت بڑا آدمیوں کا رہتا تھا اور نواب صاحب ہمیشہ سلام کے واسطے حاضر ہوتے تھے بعد آٹھ روز کے آپ نے فرمایا کہ فقیر اب جاوے گا۔ نواب صاحب نے قریب بیس ہزار روپے کے سامان پیش کرنے کے واسطے کیا۔ حضرت حاجی صاحب کو یہ بات معلوم ہوگئی آپ نے مولوی امیرالدین سے فرمایا کہ فقیر اس واسطے نہیں آیا تھا تم صاحبان کی خوشی کردی ایسا ہرگز نہ کیا جاوے۔ انہوں نے جا کر نواب صاحب سے کہا، نواب صاحب خاموش ہو گئے کیونکہ بذریعہ تار نواب صاحب وعدہ کر چکے تھے آٹھویں روز آپ دیوبند کی طرف روانہ ہوئے نواب صاحب نے مولوی امیرالدین کو آپ کے ہمراہ کیا کہ دیوبند پہنچا آویں''۔ (تذکرۃ العابدین ص۸۰ و ص۸۱)

حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتیں بیان کرتے ہوئے تذکرۃ العابدین نے لکھا ہے کہ ایک

مرتبہ داروغہ نورالدین پر خون کا مقدمہ قائم ہو گیا۔ اسی طرح رئیس منصور پور کا کیس ہوا ان میں حضرت حاجی صاحب کی طرف ان لوگوں نے رجوع کیا کیس میں بری ہو گئے بلکہ داروغہ کی ترقی ہو گئی۔

محمد نعیم خاں صاحب کا مقدمہ جو اُن کے بھائی سے چل رہا تھا ان کے لیے سخت پریشانی کا باعث بن گیا وہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ گھبراؤ مت انشاء اللہ ہر جگہ سے تم کو کامیابی ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مقدمہ کے بعد محمد نعیم خاں صاحب نے آپ کو ایک موضع دینا چاہا آپ نے فرمایا کہ فقیر نے اپنی ہی جائیداد دے دی میں کیا کروں گا''۔ (تذکرۃ العابدین ص۸۳ ج۱)

ایسا ہی قصہ رئیس فرخ نگر کے مقدمہ میں کامیابی کا ہوا۔

کنور محمد عبدالعلی خاں صاحب رئیس چھتاری سے اشٹو کر مہتمم بندوبست بگڑ گیا تو اس نے رعایا کو بگاڑ دیا بلکہ دشمن کر دیا۔ کنور صاحب نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ نے فرمایا انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا اطمینان رکھو چنانچہ ویسے ہی ہوا۔

آپ کی دعاء سے اولاد کا ہونا، بچوں کا زندہ رہنا، روزگار کا ملنا اس کی کوئی انتہا نہیں رہی۔

آپ کے پاس بکثرت مہمان باہر کے آتے تھے آپ بہت خلق سے پیش آتے تھے بعض آدمی تو آپ کو اس قدر تنگ کرتے کہ پچاس پچاس تعویذ لے کر بھی یہ کہتے رہتے کہ حضرت فلاں کا ایک تعویذ اور باقی رہ گیا مگر آپ کبھی غصہ نہ ہوتے۔ (تذکرۃ العابدین ص۸۳)

آگے چل کر لکھتے ہیں :

البتہ اس وقت آپ کو بہت غصہ ہوتا تھا جب آپ سے کوئی کہہ دیتا تھا کہ فلاں نے جائز کو ناجائز اور حرام کو حلال اور حق کو ناحق کیا ہے اس وقت تو جو سامنے آجاتا تھا بگڑ جاتے تھے مگر پھر کچھ دیر بعد غصہ رفع ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ۱۳۳۰ھ میں جو آپ ساتویں حج کو گئے تھے منشی علی احمد بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ جب ہم حج کر چکے تو ہم کو معلوم ہوا کہ حضرت حاجی صاحب مدینہ منورہ کچھ دیر سے جاویں گے تو ہم چند اشخاص کا یہ خیال ہوا کہ کھاری ینبع کو جو قافلہ جاتا ہے اس میں ہم بھی چلیں اور پختہ ارادہ کر لیا، ہم سب حضرت کی خدمت میں اجازت کے واسطے گئے حضرت نے ارادہ مذکورہ بالا سن کر سرنگوں کیا اور کچھ دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ تمہارا جانا مناسب نہیں بلکہ جو رفیق تمہارا اِس قافلہ میں جانے کا ارادہ کرے اُس کو بھی روک دو۔ یہ سن کر ہم سب نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا کہ کوئی مصلحت ہے۔

پھر کئی روز کے بعد حضرت صاحب مع قافلہ کے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے میری طبیعت راستہ میں خراب ہو گئی

پیچش وخون آنے لگا رابغ میں پہنچ کر حضرت نے مچھلی پکوائی جب کھانا آیا فرمایا کھاؤ۔ میں نے عرض کیا میری طبیعت اچھی نہیں فرمایا کھاؤ انشاء اللہ نفع ہوگا چنانچہ میں نے کھایا اور میری سب تکلیف رفع ہوگئی اور اسی روز یہ بھی فرمایا کہ جس قافلہ میں تم جاتے تھے وہ رو میں بہہ گیا یہ سن کر خاموش ہوگیا۔ دوسرے روز راستہ میں مدینہ منورہ کے واپس شدہ قافلہ سے معلوم ہوا کہ وہ قافلہ کھاری ینبع میں بوجہ رو آنے کے غرق ہوگیا''۔ (تذکرۃ العابدین ص۸۴ ج ا)

میاں رحمت اللہ شاہ صاحب دیوبند آئے، انہوں نے فیض یاب ہونے کے لیے آپ کی بابت خواب میں دیکھا تھا۔ وہ پٹھان پورہ کی مسجد میں تقریباً چھ ماہ رہے (پہلے بھی اکتالیس چلے ریاضت کرے ہوئے تھے) بالآخر مجاز ہو کر بہاولپور چلے گئے۔ ان کے اجازت نامہ پر پیر جی محمد انور صاحب کے بھی دستخط اور مہر لگائی گئی۔ (تذکرہ ص۸۲ ج ا)

ایک دفعہ ایک سندھی بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ دوران ملاقات حاجی صاحب کے ایک جذب کی سی کیفیت ہوئی آپ اُن سے سندھی میں باتیں کرنے لگے حالانکہ آپ سندھی بالکل نہیں جانتے تھے۔ (تذکرہ ص۷۹)

حلم وعفو :

آپ اکثر یہ فرماتے کہ جو مجھ کو صبح سے شام تک بُرا کہتا ہے میں اُس کو رات کو معاف کر دیتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے فقیر وہ ہے جو برا کہنے والے کو بھی بُرا نہ کہے اور کوئی بدنی یا قلبی یا عملی تکلیف نہ پہنچائے اُس کی رضا پر راضی رہے۔ البتہ اس وقت آپ کو بہت غصہ ہوتا تھا جب آپ سے کوئی کہہ دیتا کہ فلاں نے جائز کو ناجائز اور حرام کو حلال اور حق کو ناحق کیا ہے اس وقت تو جو سامنے آتا تھا بگڑ جاتے تھے مگر پھر کچھ دیر بعد غصہ رفع ہو جاتا تھا۔ (تذکرۃ العابدین ص۸۴)

صاحب تذکرہ نے آپ کی بہت سی کرامات لکھی ہیں اور اہلِ دیوبند میں خبر مستفیض بلکہ تواتر قدر مشترک کے طور پر آپ کی کرامات منقول چلی آرہی ہیں رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ بتوفیقِ الٰہی آپ سات بار سعادت حج سے مشرف ہوئے۔ تقبل اللّٰہ مناو منه.

حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکابر دارالعلوم دیوبند میں نہایت جلیل القدر بزرگ ہیں لیکن آپ کے احوال بھی یکجا نہیں ملتے جس کی بناء پر آپ کی شخصیت سے بقدر ضرورت بھی تعارف نہیں ہوتا۔ آپ کے احوال یکجا کر کے کوئی مضمون نہیں لکھا گیا۔ حضرت اقدس مولانا السیّد حسین احمد المدنی نوراللہ مرقدہٗ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ ان کے احوال مبارکہ کو زاویۂ خمول میں رہنے دیا جائے۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس موقع پر ان کی ذاتِ گرامی کے تعارف پر ایک مقالہ لکھ دیا جائے۔ اس لیے یہ مضمون مختلف کتابوں سے مرتب کر کے لکھا ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ اور پان :

۱۱ر جولائی ۷۷ء/۲۳ر رجب ۹۷ھ کو حضرت مولانا المحترم الحاج القاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جامعہ مدنیہ میں تشریف لائے۔ پان پیش کیا جانے لگا تو آپ نے ازراہِ خوش طبعی فرمایا کہ ایک شاعر نے کتھا چونہ پان چھالیہ ایک شعر میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

چھالیا غم نے ترے ورنہ میں ایسا کدتھا

پان سو تو نے کہیں چونہ کبھی میں نے کی

پھر پان میں کتھ چونہ لگانے کا ذکر آیا تو ارشاد فرمایا میرا مسلک وہی ہے جو حضرت حاجی عابد حسین صاحب کا تھا وہ فرمایا کرتے تھے کہ "پان پر چونہ کی ایک لکیر پھیر کر باقی کتھا لگا دیں"۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادات طیبہ گفتگو مقولے اور کرامتیں جمع کی جاتیں تو صحیح واقعات کی یقیناً ضخیم کتاب بنتی۔

علالت ووفات :

حضرت حاجی صاحب کو ۱۹ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو بخار ہوا۔ اور کچھ سینہ میں درد ہوا اور غفلت زیادہ ہوئی مگر یہ سب کو معمولی سی بات معلوم ہوتی تھی کیونکہ اکثر ایسا ہوتا تھا اور نماز کے وقت ہوش ہوتا تھا چنانچہ اب کی مرتبہ بھی یہی خیال تھا مگر جمعرات کے روز ۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو زیادہ طبیعت خراب ہوئی اور قریب ساڑھے چار بجے کے آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا بجا ہے۔ عرض کیا گیا کہ چار بج چکے ہیں آپ نے عصر کی نماز کے واسطے کانوں پر ہاتھ رکھے اور فوراً وصال ہو گیا۔ جمعہ کے روز ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو گیارہ بجے کے بعد قریب مزار رشید احمد صاحب مدفون ہوئے۔ (تذکرہ ص ۸۹)۔

قبرستان قاسمی کے شمال میں قدر مائل بمشرق آپ کا خام مزار ایک چبوترہ پر واقع ہے اب یہ قبرستان آپ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ قبرستان قاسمی اور اِس قبرستان میں کچھ ہی قدم کا فاصلہ ہے۔ آپ کی تاریخ وفات کے مختلف اشعار ہیں۔

بکش احمدا آہ از رحلتش لقد فاز فوزاً عظیماً بگو

(تذکرہ ص ۸۹)

رحمہ اللہ وجزاہ عناوعن جمیع المسلمین خیرا. اٰمین

آپ کے ان چار خلفاء کا آپ کے سامنے وصال ہو گیا۔ پیر جی حاجی محمد انور صاحب وہدایت شاہ صاحب۔ نعیم شاہ صاحب ورحمت اللہ شاہ صاحب۔

پیر جی محمد انور صاحب رضوی جن کا وصال ۲۰/جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ کو بمقام دیوبند ہوا اُن کے خلیفہ مولوی امانت علی صاحب نکودر ضلع جالندھر میں موجود ہیں۔(تذکرۃ العابدین ص ۸۹)

قطعہ تاریخ وفات اندوہ سمات جناب حاجی محمد عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تصنیف مولوی احمد حسن صاحب دیوبندی

گزشت عارفے کاملے سیّدے، کہ دیدار حق بود دیدارِ اُو	ہم آں بست وہفتم ز ذلحجہ بود، بوصلِ خدا رفت بشاش رُو
بگفتند یش حاجی عابد حسین، خدارا مُذَکِّرْ دیدے روئے اُو	بادینہ قبل از نماز جمعہ ،شدہ دفن درشاہِ شیدائے ہُو
بدہ اول عصر یوم الخمیس ، کہ عابد بدرگاہ حق کرد رُو	دریغا چنیں چشمۂ فیض رفت، کہ مقطوع از خلق شد فیض اُو
بکش احمدا آہ از رحلتش	لقد فاز فوزا عظیما بگو

(تذکرۃ العابدین ص۸۹ ج۱)

قطعات تاریخ وفات از جناب محمد خان صاحب غریب سہارنپوری

بحر ہستی کی بھری ہے کیا ترے سر میں ہوا	ہے حباب آسا تیرا اے بیخبر نقشِ حیات
آٹھ آٹھ آنسو رُلائے گا شکرِ خندہ تجھے	ایک دن چکھنا ہے غافل تلخیِ زہرِ ممات
جب مزا ہے بیٹھے بیٹھے بار لائے نخلِ عمر	خشک لب کیوں ہے میاں چشمہ آبِ حیات
کر نظارہ حادثوں کا چشمِ عبرت کھول کر	جا رہے ہیں وہ کہ تھی فخر زمانہ جن کی ذات
موت نے اِک دم اُٹھائے فیض کے دریا سے گرد	گئے دنیا سے رخصت عابد عالی صفات

خلد میں ہو عابد والا گہر کا گھر غریب

یہ دعا وہ ہے کہ ہے جس سے عیاں سالِ وفات

ایضاً منہ

ہست ایں رسم کہن در روزگار	چوں اجل آید ہمی گوید کہ خیز
روز آں واری کہ بر شیرے زنی	باقضا کے میتواں کردن ستیز
چوں عروسِ مرگ می خواہی شدن	رو بدست آور ہمہ ساز جہیز
خوں چہ میریزی بمرگ دیگراں	بر مآل خویشتن خونے بریز
گر خصالت چوں محمد عابد است	کن بروں از سر خیال رستخیز

زانکہ رضواں گفت بر مرگش غریب
عابد آمد در بہشت عطر بیز
۱۳ھ ۳۱

ایضاًمنہ

حاجی عابد کہ دیوبند میں تھا نیک رُو نیک خو خجستہ صفات
محو رہتا تھا زاہدوں کی طرح ذکر و شغل و نماز میں دن رات
تھی زمانے کی خوبیاں اُس میں ذاتِ عالی تھی مجمع الصفات
تھا فرشتہ بشکل انسانی جیسے ظلمات میں ہے آبِ حیات
اس لیے اے غریب غور سے دیکھ
افضل الفاضلین ہے سالِ وفات
۱۹۱۳ء

قطعۂ تاریخ تصنیف حکیم مولوی سیّد محمد ممتاز علی صاحب مرادآبادی

محبّ خدا حاجی عابد حسین کہ بودند شیخ زمان و زمین
سروش از وصال ممتاز گفت مدار المہام بہشت بریں
۱۳ھ ۳۱

(تذکرۃالعابدین ص۹۱ ج۱)

❁❁❁